عقائدِ اسلام

ترجمہ : فضل قدیر

تالیف : ڈاکٹر عبدالحلیم محمود
شیخ الازہر

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقائدِ اسلام

Marfat.com

عقائدِ اسلام

تالیف :

عبدالحلیم محمود

مترجم

فضل قدیر

*

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲ - کلب روڈ ، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

طبع اوّل : ۱۹۸۹ء
تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : سراج منیر
ناظم ، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ، لاہور

مطبع : ایمان پرنٹرز ، لاہور

قیمت : -/۶۰ روپے

Marfat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ ۵
مصنّف ایک تعارف ۹
مقدمہ کتاب ۱۱

باب اوّل:
لفظِ اسلام اور اُس کا مفہوم ۱۳

باب دوم:
اللہ موجود ہے ۳۱

باب سوم:
حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر یقینؑ ۴۹

باب چہارم:
ملائکہ ۹۵

Marfat.com

باب پنجم

حیات بعد الممات یعنی "مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا تصوّر" ۱۰۵

بابِ ششم :

اِسلام میں رحمت کا تصوّر ۱۱۳

باب ھفتم :

مومنین اور کفّار ۱۲۹

* *

Marfat.com

انتساب

یہ کاوشِ علمی والدہ مرحومہ سیّدہ ممتاز جہاں بیگم کے نام معنون کرتا ہُوں ؏

آتی ہے تری یاد بڑے بھیس بدل کے

غیر زبان میں ادا کیے گئے خیالات کو اُردو کے سانچے میں ڈھالنا ایک اچھا خاصا دشوار کام ہے۔ اس مشقّت میں بتائی راتوں پر اکثر شب ہائے زندہ دار کا گماں گزرا۔ ایسے لمحات میں اُن کی یاد نے دل کا دیا روشن رکھا کہ وہ ہماری تعلیم کے دوران میں محض ہمیں اخلاقی قوّت فراہم کرنے کے لیے راتیں آنکھوں میں کاٹ دیا کرتی تھیں۔

فضلِ قدیر

(مترجم)

Marfat.com

پیش لفظ

گئے دَور کی ہر صدی میں مرد و زن اپنے عصر کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے ہیں صرف بیسویں صدی اس گِلے سے مستثنےٰ ہے۔ اس کا امتیاز یہ بڑھتا ہُوا رجحان (بالخصوص مغرب میں) ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یُوں کہا جائے کہ ہر چیز کو وقت سے ہم آہنگ کیا جائے۔ کوئی چیز اس سے بچ نہیں پائی حتّٰی کہ مذہب بھی اس سے مبرّا نہیں رہا۔ آج بہت سے نام نہاد علمائے دین اس کوشش میں ہیں کہ اپنے دین کے رگ و پے کو بیسویں صدی کی رُوح میں رنگ دیں۔

بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم آہنگی کا تصور کئی جہتوں سے ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر علمِ طب ہی کو لیجیے۔ رُوحِ عصر سے ہم آہنگ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جُملہ امراض کا علاج میسّر ہو۔ مذہب کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیے۔ یہ بات خلافِ عقل نہیں کہ دُور رس تبدیلیوں اور شدید عدمِ اطمینان کے اس دَور سے نمٹنے کے لیے مذہب کو وہ استقامت کا مظہر بلکہ اعلان ہونا چاہیے؛ کیونکہ خارجی حقیقت

Marfat.com

کا ذریعہ ہونے کے سبب وہ اس کے بغیر خود اپنے آپ سے بھی انصاف نہیں کرسکتا۔ اس میں کلام نہیں کہ اہلِ یقین کی ایک بڑی تعداد زندگی میں کسی ایسی شے کی طلبگار رہی ہے جو ہمیشہ یکساں رہے۔ یہ لوگ بجا طور پر توقع رکھتے ہیں کہ مذہب ہی قابلِ اعتبار حقیقتِ ثابتہ ہے جو ان کی ضروریات پورا کرسکتا ہے۔

قدرت خود اس نظریے کی حامی نظر آتی ہے۔ چونکہ اسلام بنی نوع انسان کے لیے منزل من اللہ مذہب ہے، ہم اس لیے لازماً یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس دورِ ارضی کے آخری زمانے سے عصری مطابقت لازماً رکھتا ہے۔ یعنی یہی وہ زمانہ ہے جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ یومِ حشر کیا ہے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ بعض افراد کی فکر کے علی الرغم روحانی طور پر اس کا مطلب خوشہ چینی نہیں۔ اسلام ہمارے عہد کی خامیوں کو نمایاں نہیں کرتا بلکہ وہ تو ان کا تریاق ہے۔ اسے قدرت نے ایسی جبلی مدافعت ودیعت کی ہے جو اسے تغیر و تبدل سے بچاتی ہے۔ مسلمانوں کے کسی فرقے کے لیے اپنی ذاتی خواہش کے مطابق مذہب کو ڈھالنا ممکن نہیں۔ عدمِ تغیر اسلام کا ایک لازمی اور لابدی جزو ہے۔ اسلام کے عقائد اور عباداتِ انسانی مداخلت کے خلاف سب سے بڑا پشتہ ہیں۔ اس کے یہ ہرگز معنی نہیں کہ اسلام کے خلاف گمراہ کن کتابیں نہیں لکھی جاسکتیں۔ اس لیے مصنف کا مقدمے میں یہ قول باعثِ تقویت ہے کہ "قاری کو اندازہ ہوگا کہ ہم نے کوشش کی ہے کہ قرآن اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بات خود کہیں، کیونکہ یہ دونوں اسلامی تعلیمات کا بنیادی سرچشمہ ہیں اور ہم نے کسی ایسی چیز کو شامل نہیں کیا جن کی تائید ان سے نہ ہوسکے۔

مصنف مذہبی امور کے ماہر ہیں اور شیخ الازہر ہونے کی حیثیت سے وہ دنیا کی اس قدیم ترین یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں جہاں دنیائے اسلام کے ہر خطے سے صدیوں سے مسلمان اپنے بچوں کو عالمِ دین بنانے کے لیے بھیجتے رہے ہیں؛ لہٰذا اس کتاب کے قابلِ اعتبار اور مستند ہونے کی سب سے بڑی ضمانت یہی ہے کہ اسے ایک ایسے شخص نے تحریر کیا ہے جو الازہر جیسے عظیم ادارے کا سربراہ ہے۔

Marfat.com

اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اب تک اس عہدۂ جلیلہ پر جو لوگ فائز رہے ہیں، اُن میں شیخ عبدالحلیم محمود، ایک امتیازی شان کے حامل ہیں۔ ان کی تصنیفات کی طویل فہرست اس بات کا ثبوت ہے کہ دین کے انتہائی اہم امور پر اُنہیں یدِطُولیٰ حاصل ہے۔

مارٹن لنگز
(ابوبکر سراج الدین)

Marfat.com

مُصنّف

ایک تعارف

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود ۱۹۱۰ء میں مصر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے جامعہ الازہر اور پیرس کی سوربون یونیورسٹی میں مذہبی مطالعات، فلسفہ، نفسیات اور عمرانیات کی تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۰ء میں سوربون یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ اعلیٰ اعزاز سے حاصل کی اور اول آئے۔

مصر لوٹنے کے بعد انہیں جامعۃ الازہر کے اصول الدین کے شعبے میں نفسیات کا لکچرر مقرر کر دیا گیا۔

۱۹۵۱ء میں وہ فلسفے کے پروفیسر بنا دیے گئے۔ اور ۱۹۶۴ء میں ڈین آف فیکالٹی اور تحقیقِ اسلامی کی اکادمی کے رکن بن گئے۔ ۱۹۷۰ء میں الازہر کے شیخ الجامعہ کے نائب صدر مقرر کیے گئے۔ ۱۹۷۱ء میں انہیں اوقاف اور امور الازہر کا وزیر مقرر کر دیا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں وہ شیخ الازہر مقرر کیے گئے۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود ۱۹۷۶ء میں ورلڈ آف اسلام فیسٹول کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لیے انگلستان تشریف لائے تھے۔ اس موقع پر وہ ملکہ برطانیہ الزبتھ دوم

Marfat.com

سے بھی ملاقی ہوئے اور انگلستان میں مقیم مسلمانوں سے بھی ملے۔ آرچ بشپ آف کینٹربری اور دوسرے اکابرینِ چرچ سے بھی اُن کی ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے برٹش میوزیم لائیبریری میں قرآنی نسخوں کی نمائش کا بھی افتتاح فرمایا۔

ان کی مطبوعہ تصانیف وسیع علمیت کی منظہر ہیں جس میں فلسفہ، اخلاقیات اور مذہبی موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں۔

ان کی تصانیف کا آغاز فرانسیسی زبان میں الحارث المحاسبی پر تحقیقی مقالے سے ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے عربی میں کئی بیش بہا تصانیف کیں جیسے "اسلام میں معقولیت پسندی"، "تصوف اسلامی" اور "فلسفۂ فکرِ اسلامی" وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

مقدمۂ کتاب

تمام تعریفیں اللہ عزّ وجل ہی کو سزاوار ہیں اور ہم اس کی عنایات اور نعمتوں پر شکر گزار ہیں جن میں سے ایک نعمت اس کا ابدی دین اسلام ہے جس کی طرف اس نے ہماری رہنمائی کی۔ اُس ذاتِ بے ہمتا نے اسلام پر دین کو مکمّل کر دیا اور انبیاء پر پیغمبرِ اسلام سے آخری مُہر ثبت کر دی جن کی رسالت جامع، عالمگیر اور سلسلۂ قیامت تک برپا رہنے والی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

(آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (المائدۃ (۵): ۳)

یہ کتاب ایک مطالعۂ اسلام ہے جس میں دینِ اسلام کے اصولوں اور ان اثرات سے بحث کی گئی ہے جو کسی باعمل مسلمان کی انفرادی زندگی پر مترتّب ہوتے ہیں۔ یہ مضامین "ورلڈ آف اسلام فیسٹول" (عالمِ اسلام کی نمائش) کے موقع پر مرتب کیے گئے جو اپریل تا جون ۱۹۷۶ء لندن میں منعقد ہُوا تھا۔ اُمید ہے دوسری کتابوں کے

Marfat.com

ساتھ یہ کتاب بھی پڑھنے والوں کو اسلام اور اس کے پیغام کی روح سے آشنا کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔ یہ کتاب عام پڑھنے والوں کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس میں دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں کا ایک سادا سا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں فقہی مسائل اور زیادہ تفصیل سے گریز کیا گیا ہے۔ قارئین اس بات کا بخوبی اندازہ لگالیں گے کہ ہم نے قرآنِ مجید اور احادیثِ رسولؐ ہی سے استفادہ کی کوشش کی ہے کیونکہ حقیقتاً یہ تمام تعلیماتِ اسلامیہ کا سرچشمہ ہیں۔ ہم نے کوئی بات ان کی سند کے بغیر نہیں کہی۔

مجھے یقین ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس مطالعہ کو پڑھنے والوں کے لیے مفید بنائے گا اور یہ کتاب لوگوں کو اسلام کے سمجھنے اور انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے میں ممد و معاون ہوگی۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ انسانوں سے یوں خطاب فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ (اور) خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ الحجرات (۴۹): ۱۳)

عبد الحلیم محمود۔ شیخ الازہر۔ قاہرہ

Marfat.com

باب اوّل

لفظِ اسلام

اور

اس کا مفہوم

دینِ اسلام کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے تو ہمیں لفظِ 'اسلام' کے لغوی اور دینی معنوں پر بھرپور انداز میں غور کرنا چاہیے۔

مُسلم سے کیا مُراد ہے؟

اس لفظ کے لغوی معنی پر روشنی ڈالتے مشہور عالم ابن الانباری (وفات ۹۳۹ء، ۳۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ 'مسلم' سے مُراد وہ شخص ہے جو کُلّی طور پر اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت و عبادت کے لیے وقف کر دے۔ عربی میں مسلم کے معنی ہیں کسی چیز کا کُلّیتہً کسی کا ہو جانا۔ اسی طرح 'اسلام' کے معنی یہ ہیں کہ انسان کا دین اور عقائد مکمل طور پر خدائے واحد کی ملکیت بن جائیں[1]۔

لفظ 'اسلام' کی جو تعریف ابن الانباری نے کی ہے وہ پیغمبرِ اسلام حضرت مُحمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیان کردہ تعریف سے مطابقت رکھتی ہے۔

---

[1] حوالہ کے لیے دیکھیے تفسیر قرآن۔ از فخرالدین الرازی جلد ۱ صہ ۴۳۲ قاہرہ ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء

Marfat.com

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا: "اسلام کیا ہے؟" تو آپؐ نے فرمایا "مسلم، یعنی اسلام کی راہ پر چلنے والا وہ ہے جو اللہ پر دل وجان سے یقین رکھے، اور اُس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں"۔[1]

مسلمان عالموں اور مفکروں کے نزدیک عرفِ عام میں اسلام کے تین اجزا ہیں:

اوّل: زبان سے اس بات کا اقرار کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔

دوم: یہ کہ دل سے اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین، شریعت، مکارمِ اخلاق اور معاشرتی نظام کے متعلق جو ہدایتیں دی ہیں، وہ ہر طرح دُرست اور سچی ہیں۔

سوم: یہ کہ اسلام کے احکام کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ جس بات کے کرنے کا حکم ہے اس پر عمل کیا جائے اور جس سے منع کیا گیا ہے اس سے باز رہا جائے۔

ایک اور زبردست عالمِ دین علامہ راغب اصفہانی نے اسلام کے متعلق فرمایا ہے کہ اسلام، ایمان کی شہادت دینے کے ساتھ ساتھ تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور احکامِ خداوندی کی تعمیل کا نام ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآنِ حکیم میں بیان فرمائی ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(جب اُن سے اُن کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو اُنھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں۔ البقرۃ (۲): ۱۳۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

---

[1] مسند احمد بن حنبل کی مشہور حدیث ہے۔

Marfat.com

(دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے۔ ال عمران (۳): ۱۹)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

تَوَفَّنِی مُسْلِمًا

(تو مجھے (دُنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اُٹھائیو۔ یُوسف (۱۰۱: ۱۲)

دُوسرے لفظوں میں اُنہوں نے یہ دُعا کی کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں شامل کرنا جو تیری خوشنودی اور رضا کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں۔ یا یہ فرمایا کہ مجھے شیطان مردود کا اسیر ہونے سے بچانا جس نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ:

وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝

(اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں۔ الحجر (۱۵): ۳۹-۴۰)

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں آنحضرتؐ کو مخاطب کرتے ہوئے یوں بیان کیا ہے:

إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ

(تم تو انہی کو سُنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ النمل (۲۷): ۸۱)

یعنی 'مسلمونَ' سے مُراد وہ لوگ ہیں جو حق کو پہچانتے اور مانتے ہیں۔

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا

(اُسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے (یہودیوں کو) حکم دیتے رہے ہیں۔ المائدہ (۵): ۴۴)

بہر حال اس لفظ 'اسلام' کی تشریح خواہ لغوی معنوں میں کریں یا دینی اور مذہبی اعتبار سے، ہم پر یہ بات پُوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ لفظ کسی خاص شخص سے متعلق نہیں جس طرح بودھ مذہب کی نسبت گوتم بُدھ سے یا زرتشتی مذہب کا تعلق زرتشت سے ہے۔ لفظ 'اسلام' سے مُراد لوگوں کی کسی خاص قوم سے بھی نہیں جیسا کہ یہودیت کا صرف یہودیت کی طرف اشارہ ہے۔ "اسلام" کا لفظ کسی خاص علاقے یا ملک کے رہنے والوں کے لیے بھی استعمال نہیں ہوتا جیسا کہ کئی دوسرے مذاہب میں ہوتا ہے۔ جو مذہب کسی مخصوص فرد

Marfat.com

یا قوم یا علاقے سے نسبت رکھتا ہو وہ یقیناً اُس وقت تک ہی قائم رہے گا جب تک وہ فرد یا قوم زندہ ہے اور مکانی لحاظ سے اُس کا اثر و نفوذ مخصوص خطے تک محدود رہے گا۔

"اسلام" زمان و مکان اور فرد و قوم کی حد بندیوں سے قطعاً بے نیاز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ اسلام کی وسعت اتنی لامحدود ہے کہ اس کی سرحدیں ہمارے کرۂ ارض سے بھی ماورا ہیں۔ یہ لفظ تو نبئ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دورِ نبوت اور تبلیغ تک بھی محدود نہیں۔ پیغمبرِ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بہت پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی اُمت سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

(اور اگر تم نے مُنہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) مَیں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو خدا کے ذمّے ہے اور مجھے حکم ہُوا ہے کہ مَیں فرمانبرداروں میں رہوں۔ یونس (۱۰): ۷۲)

قرآنِ کریم حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بارے میں کہتا ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (خدا) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔ آل عمران (۳): ۶۷)

ہمیں حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی وہ دُعا بھی یاد رکھنی چاہیے جب باپ بیٹا اللہ کا گھر یعنی کعبہ تعمیر کر رہے تھے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

(اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تُو سُننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور (پروردگار) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تُو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ البقرۃ (۲): ۱۲۸)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اپنے بیٹوں کو یہی نصیحت کی تھی کہ وہ تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کریں:

Marfat.com

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ

(اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا خدا نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ البقرۃ (۲) ۱۳۲)

پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت کے آثار ظاہر ہوئے تو اُن کی شدید آرزو یہی تھی کہ وہ اپنے رب کے پاس اس حال میں جائیں کہ انہیں اپنے فرزندوں کے بارے میں پُورا اطمینان ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے پُوچھا:

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

(جب اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو اُنہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اُسی کے حکم بردار ہیں۔ البقرۃ (۲) ۱۳۳)

اور موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ

(اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو اور اگر (دل سے) فرمانبردار رہو تو اُسی پر بھروسا رکھو۔ یونس (۱۰): ۸۴)

اور جب عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنی اُمت کو بے یقینی میں مستعد پایا تو کہا تھا:

مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ

(کوئی ہے جو خدا کا طرف دار اور میرا مددگار ہو۔ آلِ عمران (۳): ۵۲)

اور حضرت یوسف علیہ السّلام نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہُوئے دعا کی تھی:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

(اے میرے پروردگار تُو نے مجھ کو حکومت سے بہرہ دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دُنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھے (دُنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اُٹھائیو

Marfat.com

۶ کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی اخلاص اور نیک نیّتی ہے اُسے قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

قرآن میں اللہ اپنے نبیٔ آخر الزماں صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

(کہہ دو کہ مجھ پر (خدا کی طرف سے) یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا معبود خدائے واحد ہے۔ تو تم کو چاہیے کہ فرمانبردار ہو جاؤ۔ انبیاء (۲۱): ۱۰۸)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نبیٔ آخر الزماں کو اہلِ کتاب کو یہ مشورہ دینے کا حکم دیتا ہے:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

(کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ خُدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (اُن سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔ آلِ عمران (۳): ۶۴)

ایک دوسری آیۂ مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت مومنِ صادق اور نبیٔ برحق کی وضاحت کرتے ہوئے ایمان اور کُفر کا فرق بتاتے ہیں:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۙ وَ لَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًاؕ اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۠

(کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خُدا تو اُسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ (اس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہلِ کتاب تم (علمائے) ربّانی ہو جاؤ۔ کیونکہ تم کتابِ (خدا) پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بنا لو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔ آلِ عمران (۳) ۷۹-۸۰)

Marfat.com

اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کیجو۔ یوسف (۱۲:۱۰۱)

اور اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے کہلوایا:

اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ

(مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ وہ کہنے لگے کہ (پروردگار) ہم ایمان لائے تو شاہد رہیو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ المائدۃ (۵:۱۱۱)

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اسلام کی راہ پر چلنے والوں کو 'مُسلم' کا نام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور بعثت سے بھی بہت پہلے دے دیا گیا تھا۔

یہاں قرآنِ مجید کی ایک آیت پیش کی جاتی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے اُس ذمّہ داری کی نشاندہی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ مُسلمہ کے کاندھوں پر ڈالی ہے۔ اس میں ربِ کائنات کی وہ ہدایتیں ہیں جنہیں ہر مسلمان کو حرزِ جان بنا لینا چاہیے۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

(اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو۔ جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہو اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور خدا (کے دین کی رسّی) کو پکڑے رہو۔ وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔ الحج (۲۲:۷۸)

یہ بدیہی امر ہے کہ اسلام کو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر رہنا ہے۔ اس کی اس حیثیت سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا اور تمام مخلص انسان لازماً اسے تسلیم کریں گے۔

قرآنِ حکیم نے 'لفظ' 'اسلام' کی تشریح ایسے مختصر مگر مؤثر انداز میں پیش کی ہے

Marfat.com

اللہ کریم ایک سوال کے انداز میں ایمان کی ماہیت بیان کرتا ہے :

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

(اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا اور وہ نیکو کار بھی ہے ۔ النسآء (۴): ۱۲۵)

ان تمام آیتوں سے یہ بات کُھل کر سامنے آتی ہے کہ ایمان کے دائرے میں اسلام کی رُوحِ حقیقی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کے سُپرد کر دے یعنی پہلے تو وہ اللہ کی واحدانیت پر ایمان لائے اور پھر یہ جان لے کہ اللہ کی وحدانیت سے مراد یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں ۔ کسی شخص یا کسی چیز کو اس پر فوقیت نہ دیں اور تنہا اُسی کی بندگی کریں ۔ اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہم فرشتوں یا پیغمبروں سے خدائی صفات وابستہ نہ کریں ، ہماری فکر اور ہماری سوچ کُلی طور پر حق آشنا ہونا چاہیے ۔ اُسی سے مدد مانگنی چاہیے ۔ اُسی کو تمام اُمیدوں کا مرجع سمجھنا چاہیے ۔ ہمیں اللہ پر کامل یقین اور اُسی پر بھروسا کرنا چاہیے ۔

اخلاق کے دائرے میں ' اسلام ' کی رُوح ' احسان ' ہے جس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یُوں فرمائی ہے : " اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو اور یہ جانتے ہُوئے کہ تم اُسے نہیں دیکھ سکتے ۔ یہ سمجھ لو کہ وہ تمہیں بہر حال دیکھ رہا ہے " ۔

اپنی فکر اور سوچ کو اللہ سے وابستہ کرنا ایمان اور اخلاق دونوں سے متعلق ہے ۔ اخلاق کے معاملے میں ہمیں وہی اعمال اختیار کرنے چاہییں جن کا حکم اللہ نے دیا ہے ' اسلام ' مکمل طور پر اللہ کی اطاعت اور پُورے خلوص سے عبادت کا تقاضا کرتا ہے ۔ گویا بندہ اللہ کو واقعی دیکھ رہا ہے ۔

اتنی بات تو یقیناً ہر شخص کے تصوّر میں آ سکتی ہے کہ اُن لوگوں کے سوا جن کے دل سچائی اور نیکی سے بالکل خالی ہوں کوئی شخص بھی اپنے رب کے حضور خود سپردگی سے

Marfat.com

انکار نہیں کر سکتا۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ 'اسلام' یا خود سپردگی ہی صحیح راہِ ہدایت ہے۔ یہی نکتہ قرآنِ کریم ان الفاظ میں واضح کرتا ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

(توجس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ الانعام (۶): ۱۲۵)

اللہ تعالیٰ نے خُدا کی اطاعت کو حضورؐ کی مثال سے واضح کیا ہے، جن سے خطاب کرتے ہُوئے قرآن کہتا ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

(بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے۔ الزمر (۳۹): ۲۲)

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

(یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور مَیں سب سے اوّل فرمانبردار ہُوں۔ الانعام (۶): ۱۶۲-۱۶۳)

قرآنِ کریم کی جو پہلی آیۂ مبارکہ وحی کے ذریعے حضورِ اکرم پر نازل کی گئی تھی، اُس میں بھی یہ ہدایت واضح تھی کہ ہر چیز اللہ کے نام سے کی جائے کسی دوسرے کے نام سے نہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ علق (۹۶): ۱)

اللہ نے یہی نکتہ ایک دوسری آیت میں یُوں واضح کیا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ

(اور جس چیز پر خُدا کا نام نہ لیا جائے اُسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔ الانعام (۶): ۱۲۱)

پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ 'اسلام' یعنی خود کو مطلقاً اللہ کا تابع فرمان کر دینا ہی

Marfat.com

اصل دین ہے کیونکہ اللہ کے آگے خضوع کے سوا کوئی دین ہو ہی نہیں سکتا۔"دین" کی تعریف کچھ بھی کی جائے، اس کی رُوح یہی ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ 'اسلام' ہی دین کی مکمل ترین تعریف ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ :

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

(دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے۔ آل عمران (۳): ۱۹)

اسی پر مبنی اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ویسے ہی سچا ہے :

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

(اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگا۔ آل عمران (۳): ۸۵)

اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی بندگی اور اطاعت سے منکر ہوتا ہے وہ گویا سرے سے دین سے انکاری ہے۔ اس لیے اُن آیاتِ قرآنی پر تعجب یا الجھن نہیں ہونی چاہیے جن میں اللہ نے اہلِ کتاب کے بعض سچے اور مخلص افراد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اُن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ پکار اُٹھتے ہیں کہ "سچ تو یہ ہے کہ ہم تو مسلمان ہیں، بلکہ ہم تو قرآن نازل ہونے سے پہلے بھی مسلمان ہی تھے"۔

مثلاً قرآنِ مجید میں آیا ہے :

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَھُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ

(اور ہم پے در پے اُن لوگوں کے پاس (ہدایت کی) باتیں بھیجتے رہے ہیں تاکہ نصیحت پکڑیں۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور جب (قرآن) اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے بیشک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں۔ ان لوگوں کو دُگنا بدلہ دیا جائے گا۔ القصص (۲۸): ۵۱-۵۴)

اس کا منطقی نتیجہ قرآن کے الفاظ میں یوں نکلتا ہے :

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی

Marfat.com

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ، كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ، اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

(اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ اُن کو دشوار گزرتی ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ بنالیتا ہے اور جو اُس کی طرف رجوع کرے اُسے اپنی طرف رستہ دکھا دیتا ہے۔ الشوریٰ (۴۲) ۱۳:).

قرآنِ مجید نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

(کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولاد پر اُترے اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو پروردگار کی طرف سے ملیں سب پر ایمان لائے۔ ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ آلِ عمران (۳) ۸۴:)

اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کے معنی ہی یہ ہیں کہ توحید پر ایمان لایا جائے اور اسی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس کی عبادت کی جائے۔ مشہور عالم البیرونی نے کہا تھا کہ "اس دور میں عیسائی مذہب کی پہچان تثلیث کا عقیدہ ہے تو 'اسلام' کا توحید ہے جس کی رُو سے صرف امتیازی نشان خدائے واحد ہی حاکمِ مطلق ہے جو خالق بھی ہے، وہاب بھی ہے اور معطی بھی مانع بھی۔ دیکھیے اللہ فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ آلِ عمران (۳) ۲۶:)

خدائے بزرگ و برتر نے بادشاہت ارضی کو چھوٹی بڑی عنایات، صحت و قوت،

Marfat.com

عظمت وشہرت، وسائلِ رزق اور دولت سے نوازا ہے دل کے معاملات بھی اُسی کے اختیار میں ہیں کسی مرد یا عورت کا دل اس رحمان و رحیم کے دستِ قدرت میں ہے دلوں کو وہی ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ وہی مالکِ روزِ جزا بھی ہے اور ہر صغیر و کبیر پر اُسی خدائے متعال و ذوالجلال کی فرمانروائی ہے۔ رائی برابر کوئی شے یا اس سے کمتر یا بیش تر کوئی چیز خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمانوں میں، اس کے علم، قدرت، مشیت اور حکمت سے خارج نہیں۔ اس کی ولایت، سب پر حاوی، سب کو جامع اور مطلق ہے۔ اب اس آیتِ قرآنی پر غور کریں:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

(کہہ دو کہ اے اہلِ کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ خُدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (اُن سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہیں - آلِ عمران (۳:۶۴)

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ (اہلِ کتاب) ان باتوں پر ایمان نہ لائیں تو اُن سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ ہم تو مسلمان ہیں؛ یعنی خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔

درحقیقت، اسلام ماسبق ادیان کی طرح، جب وہ اپنی اصلی اور غیر محرف حالت میں تھے۔ خُدا کی وحدانیت کے اقرار کے سوا کچھ نہیں اور اس کا پیغام اسی توحید کی شہادت دینا ہے کیونکہ اسلام کی تعلیمات اور اصول اسی پر مبنی ہیں اور عبادات کا مقصد انسان کو توحید ہی کا احساس دلانا ہے۔

ایمان کے دو بنیادی اجزا ہیں۔ پہلا وہ ابدی خداوندی اعلان کہ "اشہد ان لا اِلٰہ الا اللہ" (کوئی الٰہ یعنی معبود نہیں سوائے اللہ کے)۔ دوسرا جزو "اشہد ان محمداً رسول اللہ" (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) جو رسالت پر مبعوث ہوئے۔ یہ دو شہادتیں (اقرار) توحید کے عقیدے کی جامع ہیں۔

Marfat.com

توحید کا اقرار ہی اسلام کی اساس اور رُوح ہے لیکن یہ تصدیق بالقلب کے بغیر بے بنیاد ہے۔ جب تک توحید پر ایمان کسی شخص کے دل و دماغ پر حاوی نہ ہو اور اُس کی فکر اور شعور اور احساسات اس رنگ میں رنگے ہوئے نہ ہوں اور اس کا قلب و روح اس سے سرشار نہ ہوں جس سے اس کے تمام بدنی اعمال اثر پذیر ہوں اور صحیح نصب العین کی طرف اس کی رہنمائی کر رہے ہوں اس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی وحدانیت کو عملاً نافذ کرنے کے لیے اسلامی عبادات کا طریقہ متعارف کرایا گیا۔ صلوٰۃ درحقیقت ماسوا اللہ سے کٹ کر اللہ سے رابطہ قائم کرنے کا نام ہے۔ اسی لیے نماز کا آغاز تکبیر یعنی اللہ اکبر سے ہوتا ہے تاکہ ابتدا ہی سے انسان کو یہ احساس ہو کہ اللہ اُن تمام آقاؤں، بادشاہوں اور تمام افراد سے، جن سے انسان امیدیں باندھ لیے بڑا ہے اور یہ کہ تمام اُمیدوں اور آرزوؤں کا مرکز و محور اُسی کی ذات کو بنانا چاہیے جو عظیم و جلیل ہے۔

اب ذرا نماز کی ادائیگی کے طریقے کو دیکھیے۔ اس میں پہلے نمازی تیر کی طرح سیدھا کھڑا ہو کر (قیام میں) تلاوت کرتا ہے۔ پھر رکوع یعنی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر آگے جھکتا ہے اور اللہ کی عظمت کا بار بار اقرار کرتا ہے۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی پیشانی زمین پر ٹیک کر سجدہ کرتا ہے۔ پھر اپنے رب کے اعلیٰ ہونے کا بار بار اقرار کرتا ہے اور پھر گھٹنوں کے بل تشہد میں اقرار کرتا ہے کہ تمام تعریف اور تمجید اللہ ہی کے لیے ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ نبی کریمؐ پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ اور اپنے اور اپنے والدین کے لیے دنیا و آخرت میں سلامتی اور مغفرت طلب کرتا ہے۔ دورانِ نماز میں تمام حرکات و سکنات کا مقصد یہی ہے کہ انسان خود کو اللہ کے سوا ہر ایک سے علیحدہ کر لے، صرف اُسی کی طرف مُنہ کرے اور اُسی کے سامنے سرِ نیاز خم کر دے۔

روزوں کی طرف نظر کیجیے تو پتہ چلے گا کہ روزہ دار ایک مقررہ مدت کے لیے خود کو دنیا داری، بُرے خیالات، بُری زبان اور بُرے کاموں سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر الگ کر لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روزہ ہمیں اُن انسانی کمزوریوں کو مغلوب کرنے

Marfat.com

میں مدد دیتا ہے جن کا اظہار جذبات، الفاظ اور اعمال سے اکثر ہوتا رہتا ہے تاکہ اُس کی رُوح ان آلائشوں سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی بے عیب ذات میں غور کر سکے۔ یہ اللہ کی بعض صفات سے متصف ہونے کی کوشش ہے کیونکہ مطلق کمال اُسی کی ذات ہے جس میں کوئی نقص نہیں اور جو شخص حصولِ کمال کا متمنّی ہو اُسے وہی عمل اختیار کرنا چاہیے جو خدا کو محبوب ہو۔ اس لیے روزہ اپنی ذات کو انسانی نقائص سے پاک کر کے خدا کی وحدانیت کے آگے سر جھکانا سکھاتا ہے۔

زکوٰۃ کا بنیادی مقصد بھی وہی ہے جو نماز اور روزے کا ہے کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں خود کو وقف کر دیا جائے۔ زکوٰۃ اُن مادّی اشیاء اور دولت کو جن کے حصول کے لیے انسان از حد سرگرم رہتا ہے اللہ کی راہ میں صَرف کرنے کا نام ہے۔ زکوٰۃ کا مطلب اُن اشیاء کا ترک ہے جو انسان نے اپنے نفس اور اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے حاصل کی تھیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ اس طرح انسان کو نہ صرف رُوح کا تزکیہ حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کا مال بھی پاک ہو جاتا ہے۔

اللہ کے گھر یعنی کعبہ کا حج اللہ ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ یہ ایسی عبادت ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک دُنیا سے مُنہ پھیر کر اللہ سے رابطہ استوار ہوتا ہے۔ حج میں انسان گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور اپنے ماضی کا وہ بوسیدہ خول اُتار پھینکتا ہے جس میں وہ غافل رہا اور ماسویٰ اللہ کی یاد میں مشغول رہا۔ جس دور میں وہ خواہشات کا غلام بن کر معصیت اور نافرمانی کا مرتکب ہُوا۔

حج بیت اللہ کے موقع پر انسان کا پُورا وجود ایک انقلاب سے گزرتا ہے جس کی تیاری میں وہ معمول کا لباس بھی اُتار پھینکتا ہے اور ایک چادر باندھ لیتا ہے جسے دینی اصطلاح میں احرام کہا جاتا ہے۔ اس سفر کا آغاز کرتے ہی ہر انسان کے لبوں پر "لبّیک اللھم لبّیک" ہوتا ہے اور یہ خالص توحید کا اقرار ہے اور ماسواء اللہ "خدا" سے برئیت کا اظہار۔

جب حاجی بہ یک زبان اپنی آوازیں بلند کر کے اپنے خالق و مالک سے عرض کرتے ہیں کہ وہ حاضر ہیں، تو ان کی آوازوں میں نکہت و نُور کا سیلِ رواں ہوتا ہے اور محسوس

Marfat.com

ہوتا ہے کہ اُن کے پاک دلوں کی پکار پر آسمان کے دروازے کھلنے لگتے ہیں۔ تمام عازمینِ حج توحید کے پرچم تلے جمع ہو جاتے ہیں۔

حج کی تمام رسوم کا ایک پورا سلسلہ ہے جن میں مختلف مرحلوں پر بہ نہایت نظم و ضبط سے کچھ اعمال کرنے ہوتے ہیں انہیں دینی اصطلاح میں 'مناسکِ حج' کہا جاتا ہے۔ کچھ اعمال محسوس اور ظاہری ہوتے ہیں اور کچھ غیر محسوس اور علامتی جو حرکت محسوس سے بلند ہوتے ہیں۔ مناسکِ حج میں بلند آواز سے لبیک کہنا اور خدا کی توحید کا اقرار، طوافِ کعبہ، سعی صفا و مروہ، عرفات کا قیام اور دعا مانگنا شامل ہیں کہ اللہ اپنے گھر کے زائرین کو جملہ انبیاء و صالحین کے اُس پسندیدہ زمرے میں شمار فرمائے جو اُس کی توحید پر ایمان لائے۔

اللہ تبارک تعالیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

(اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔ (الانبیآء (۲۱):۲۵)

اپنے عقائد میں اللہ عزوجل کی وحدانیت پر ایمان کے کچھ پہلو یہ ہیں۔ اب ہم اخلاق میں توحید کے تصور کی کارفرمائی کرتے ہیں۔ اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ تمام ذاتی اور اجتماعی افعال کا سرچشمہ ارشادِ ربانی ہی ہے۔

اخلاقیات کے میدان میں توحید کا اقرار اولاً کسی شخص کی نیت سے ہوتا ہے جب وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کا حُب اور بغض اور جملہ اعمال خدا ہی کے لیے ہیں۔ اس کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہوگی۔ نہ صرف زندگی بلکہ اس کی موت بھی۔ گویا توحید کا اقرار یہ ہے کہ انسان کا مقام و جلوس، خواب و بیداری، تقریر و سکوت، رنج و راحت اور دوستی و دشمنی، خرید و فروخت، کام اور آرام، افکار و آراء، تعلیم و تعلّم، تنبیہہ و مشورہ میں خُدا ہی کے حضور جوابدہ ہو۔

ایک مرتبہ پھر اس بات کو ذہن نشین کر لیجیے کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان اپنی عبادات، اپنے مناسک حتیٰ کہ اپنا جینا مرنا تک صرف اللہ تعالیٰ سے

Marfat.com

وابستہ کرے جو ہر چیز کا مالک ہے۔

انسان اپنے ایمان، نیّات اور اخلاق میں جس قدر اللہ کی ذاتِ واحد کا قرب حاصل کرے گا، اُسی قدر وہ اپنے مُسلم ہونے کے مقصود کو پُورا کر سکے گا۔ دیکھیے قرآنِ کریم فرماتا ہے:

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ

(دیکھو، خالص دین اللہ ہی کا ہے۔ الزمر(۳۹):۳)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا دین خواہ ایمانیات سے متعلق ہو یا اخلاقیات سے، اور جن کی بنیاد خلوصِ نیّت ہے، ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھیے کہ اللہ کو کسی شریک کی قطعاً حاجت نہیں۔ اگر کوئی کام اُس کے نام کے علاوہ کسی اور کے نام سے بھی کیا جائے گا تو اللہ عزّوجل اس سے برّیت کا اظہار کرے گا۔

حدیثِ قُدسی ہے:

"میرا کوئی شریک نہیں۔ اگر کوئی شخص میرے لیے اور کسی دوسرے کے لیے کوئی کام کرے گا تو مَیں وہ کام دوسرے ہی کے لیے چھوڑ دوں گا۔" (مسند احمد)

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اعمال کا انحصار نیتّوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیّت کرتا ہے۔ پس جس نے اللہ اور اُس کے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت خُدا اور رسول کے لیے ہے اور جس نے دُنیاوی فائدوں کے حصول یا کسی عورت سے شادی کی نیّت سے ہجرت کی، اس کی ہجرت اُسی کے لیے شمار ہوگی۔"

ان سب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا حقیقی مفہوم کیا ہے یعنی (جیسا کہ پہلے مذکور ہُوا) اپنے آپ کو کاملاً خُدا کے حوالے کر دینا۔ ہم اس کو مزید واضح کرنے کے لیے آقائے نامدار حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کے راوی جلیل القدر صحابی عمرو بن عبسہؓ ہیں:

کسی نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اسلام کیا ہے؟" رسولِ مقبول

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کہ تم اپنا دل خالصتاً اللہ سے لگالو اور یہ کہ تمہاری زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔" (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی)

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اگر کسی کا دل اللہ کا ہو گیا تو اُس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مُسلمان محفوظ رہیں گے۔ یہ حضورؐ کی حدیث کے مطابق ہے کہ "اگر کسی کا دل مطیع ہے تو اُس کے اعضاء وجوارح بھی مطیع ہوں گے۔" اور نعمان بن بشیر کی روایت کے مطابق حضور نے فرمایا:

"جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ وہ اگر دُرست اور ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک اور درست رہتا ہے۔ اگر وہ دُرست نہ ہو تو سارا جسم نادرست ہو گا۔ یہ ٹکڑا دل ہے۔"

اگر یہ پُوچھا جائے کہ "انسان کس طرح خُدا کا ہو کر رہ جائے اور اس کے لیے کیا طریقے اختیار کیے جائیں اور انسان کس راستے پر چلے؟"

اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان وہ ابدی اصول اپنائے جو خُدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نازل فرمائے خواہ وہ قرآنی آیات میں ہوں یا آپؐ کے اقوال مبارک ہیں۔ جو شخص اللہ ہی کا بن جانا چاہے اُسے قرآنِ مبین کی آیات، آپؐ کے اقوالِ مبارکہ اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہر شخص کو دین کا سیدھا راستہ اپنانا، اور قرآن وسُنّت ہی سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں قرآنِ حکیم ہی اصولِ دین کی وہ آسمانی کتاب ہے جس میں اللہ کا کلام بغیر کسی ردّوبدل کے محفوظ ہے۔ اس میں وحی کا صرف مفہوم ہی محفوظ نہیں بلکہ کلام اور الفاظ تک محفوظ ہیں اور یہ مرتبہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں کیونکہ اس کی صحت اور حقانیت کی گرد تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔

مسلمانوں کے لیے یہ باعثِ فخر ہے کہ دین کے معاملے میں وہ وحی الٰہی سے براہِ راست استفادہ کر سکتے ہیں جس کی صحت، جدت، ندرت، بلاغت اور عظمت میں کوئی شک نہیں۔ عربی زبان کے لیے یہ بات وجۂ افتخار ہے کہ اس میں اللہ کا کلام محفوظ رہا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ

(یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کردی گئی ہے۔ ہود(۱۱):۱)

ہمارے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ دین، خُدا کی اطاعت، توحید اور اسلام سب کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ سب اصطلاحیں ایک دوسری کی شارح ہیں۔ یہ سب عالمگیر نوعیت کی ہیں۔ مطلق اور زمان و مکان کی حدود میں مقید نہیں۔

لفظ 'اسلام' ایک نہایت خوبصورت لفظ ہے جو ان سب کا احاطہ بڑی خوبی سے کرتا ہے۔ اس دینِ اسلام ہی کے لیے اللہ نے فرمایا تھا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پُوری کردیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ المائدۃ(۵):۳)

اس اجمال کی تفصیل آئندہ ابواب میں پیش کی گئی ہے۔

Marfat.com

باب دوم

اللہ موجود ہے

جب ہم پوری کائنات کو ایک 'کُل' کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کے اجزا میں اتنا قریبی ربط نظر آتا ہے کہ اس کا ہر جزو، جس میں زمین کے مسکونہ اور غیر مسکونہ خطے، پہاڑ، سمندر، دریا، انسان، حیوان وغیرہ شامل ہیں، ایک ایسی وحدت یا اکائی محسوس ہوتا ہے جس کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے مربوط اور ایک دُوسرے کا تکملہ ہیں۔

ذرا غور کیجیے ایسی عمارت، جس کے اربوں، کھربوں حصّے ایک دوسرے سے اتنا گہرا رابطہ رکھتے ہوں، اس نظریے کی نفی کرتی ہے کہ اتنا ہوش ربا، اتنا جامع نظام خود بخود وجود میں آگیا یا محض اتفاق سے قائم ہو گیا۔ ان بے کار الفاظ سے صَرفِ نظر کیجیے تو یہ روشن ہو گا کہ اس زبردست کارخانے کا چلانے والا کوئی ضرور ہے۔ درج ذیل آیات میں اس ارتباطِ باہمی کا اعلان دیکھیے؛

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝
وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝

Marfat.com

(انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ بے شک ہم ہی نے پانی برسایا۔ پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا۔ پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری، زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا۔ (یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے لیے بنایا۔ **عبس (۸۰): ۲۵-۲۳)**

پھر اس کے بعد ارض وسما، پانی اور نباتات کے باہمی تعلق پر ان آیاتِ ربانی کے وسیلے سے غور کیجیے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿﴾

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا آسمان سے پانی نازل کرتا پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا، پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو (کہ) زرد (ہو گئی ہے) پھر اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔ بیشک اس میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔ **الزمر - (۳۹): ۲۱)**

کائنات کی مختلف اقالیم میں فطری ربط کو فلسفی "ثبوت نمائی" یا "ثبوت از مقصد" کہتے ہیں کیونکہ کائنات کی ہر شے ایک ارادے، ایک مقصد کی کارفرمائی ہے اور اس مقصد میں کسی اتفاق یا حادثے کو دخل نہیں۔ اب ذرا مقاصدِ کائنات پر ان آیاتِ ربانی کی روشنی میں غور کیجیے:

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ﴿﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰی لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ﴿﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ﴿﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ﴿﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿﴾

(کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیونکر بنایا اور (کیونکر) سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔ اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں۔ تاکہ رجوع کرنے والے بندے ہدایت اور نصیحت حاصل کریں۔ اور آسمان سے برکت والا پانی اتارا اور اس سے باغ و بستان اگائے اور کھیتی کا اناج۔ اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہہ بہ تہہ ہوتا ہے۔ (یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لیے کیا ہے) اور اس (پانی) سے ہم نے

شہرِ مردہ (یعنی زمین اُفتادہ) کو زندہ کیا (بس) اسی طرح (قیامت کے روز) نکل پڑنا ہے۔ قٓ (۵۰):۶-۱۱)

اب ان آیات پر بھی ہمیں دل جمعی سے غور کرنا چاہیے:

وَاللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿﴾ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْہُ سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿﴾ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿﴾ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِہَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ

(اور خدا ہی نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کیا۔ بیشک اس میں سُننے والوں کے لیے نشانی ہے۔ اور تمہارے لیے چارپایوں میں بھی (مقامِ) عبرت (و غور) ہے کہ اُن کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔ اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ اُن سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو) جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں ان کے لیے ان (چیزوں) میں (قدرتِ خدا کی) نشانی ہے۔ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اُونچی اُونچی) چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا۔ اور ہر قسم کے میوے کھا۔ اور اپنے پروردگار کے صاف رستوں پر چلی جا۔ اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے بیشک سوچنے والوں کے لیے اس میں بھی نشانی ہے۔ النحل (۱۶):۶۵-۶۹)

دُنیا کا نظام چلانے کیلیے علم و آگہی، ہدایت اور توجّہ کی ضرورت

کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال اُبھرا کہ کارخانۂ کائنات کے اجزا میں اس انداز کا بامقصد تعلق اور ایک شعوری اور ارادی ہم آہنگی یقیناً اٹل یا ناقابلِ تغیر قواعد و ضوابط ہمراہ لے کر آئی ہو گی اور اسی انداز میں قائم رہنے کی پابند ہے۔ انہوں نے یہ بھی سوچا کہ خُدا نے کائنات کی تخلیق مکمل کر لی اور اس کی موزوں تراش خراش کی کہ اب یہ اُسی نہج پر کاربند ہے جو خُدا نے اس کے لیے مشیّت کیا۔ اور اب یہ از خود اپنے مقررہ ہدف یا مرام کی طرف

Marfat.com

ان قوانین کے تحت رواں ہے جو خُدا نے مقرر کر دیے اور جن میں اب وہ مداخلت نہیں کرتا۔ اب یہ اپنی رضا کے مطابق جاری ہے اور خُدا کی مرضی کسی عمل یا بے عملی، تقرر و سکوت میں شامل نہیں۔

یاد رکھیے یہ خیال ہرگز درست نہیں۔ صحیح اسلامی نظریہ یہ ہے کہ اللہ اپنی باہم مربوط کائنات کو ہر ساعت، ہر لمحے اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہے۔ اگر وہ اس سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو جائے تو ہر شئے تحلیل ہو کر غائب ہو جائے گی۔ اس کی وضاحت اللہ یُوں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۥ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا

(خدا ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل نہ جائیں۔ اگر وہ ٹل جائیں تو خُدا کے سوا کوئی ایسا نہیں جو اُن کو تھام سکے۔ بیشک وہ بُردبار (اور) بخشنے والا ہے۔ فاطر (۳۵) :۴۱)

اللہ ہی پرندوں کو آسمان پر تھامے ہُوئے ہے:

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی ہوا میں گھرے ہُوئے (اُڑتے رہتے) ہیں ان کو خُدا ہی تھامے رکھتا ہے۔ ایمان والوں کے لیے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (النحل (۱۶) :۷۹)

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِيْرٌ

(کیا انھوں نے اپنے سروں پر اُڑتے جانوروں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلائے رہتے ہیں اور اُن کو سکیڑ بھی لیتے ہیں۔ خدا کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا۔ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔
(الملک (۶۷) : ۱۹)

کامل اور مطلق اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ ذوالجلال والاکرام ہی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے اقتدار و اختیار سے نواز دیتا ہے اور جب چاہتا ہے یہ چھین بھی لیتا ہے۔ رات اور دن اسی کے حکم کے تابع ہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی اسے واپس لینے پر قادر ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ

Marfat.com

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

(کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تُو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تُو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تُو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔ آل عمران (۳) ۲۶-۲۷)

محترم قارئین کو ان آیات سے یہ اندازہ ہوگا کہ اوّل تا آخر اللہ کا کلام زمانۂ حال کے صیغے میں ہے۔ عربی میں یہ صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لیے آتا ہے۔ اللہ عزّوجل کی بہت سی آیات اسی انداز میں نازل ہوئیں۔ مثال کے طور پر اللہ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(وہی تو ہے جو (ماں کے) پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ آل عمران (۳) :۶)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم کو اپنی رحمت کے مزے چکھائے اور تاکہ اُس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اُس کے فضل سے (روزی) طلب کرو۔ عجیب نہیں کہ تم شکر کرو۔ الروم (۳۰) :۴۶)

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُـحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو اُبھارتی ہیں۔ پھر خدا اُس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اُس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اسے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اور پیشتر

Marfat.com

تو وہ مینہ کے اترنے سے پہلے نا اُمید ہو رہے تھے۔ تو (اے دیکھنے والے) خُدا کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ بے شک وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الروم (۳۰): ۴۸ - ۵۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات اور اس کی ساری مخلوق سے متعلق قوانین بھی اللہ ہی نے بنائے ہیں۔ یہ تو بات ہُوئی پیدا کرنے کی، مگر پیدا کرنے کے بعد انہیں قائم و دائم رکھنا دوسری بات ہے۔ یاد رکھیے کہ پیدا کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ کسی چیز کا انتظام اور نگہداشت ہے جو ایک لامتناہی اور مسلسل عمل ہے۔ خدا کی اسی صفت کو "قیومیہ" کہا گیا ہے اور قیوم اسی لیے اس کا ایک صفاتی نام بھی ہے جس کے معنی ہیں ہر طرح خود کفیل۔ یعنی وہ ذات جس کی وجہ سے ہر شے موجود ہے اور موجود رہتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انتظام کرنے سے مراد کائنات کو محض باقی رکھنا ہے؟ نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انتظام احتیاط سے کیا جائے اور بڑی سُوجھ بُوجھ سے اسے قائم کیا جائے کہ کہیں وہ نابُود نہ ہو جائے۔ یہ جو دُعا ہے کہ "اے ربّ عظیم! مجھے خود سے ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہ چھوڑ"۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تبارک تعالیٰ کسی انسان کو اُس کے حال پر چھوڑ دے تو جسمانی طور پر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ اللہ ہی تو ہے جو انسان کو 'قائم' رکھے ہُوئے ہے اور اگر وہ اُسے روحانی طور پر تنہا چھوڑ دے تو وہ شیطان یا ترغیبات یا گناہوں کا شکار ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا جامع اور مبسوط علم کائنات اور جُملہ مخلوقات کے قیام و انتظام کا احاطہ کیے ہُوئے ہے۔ قرآن کہتا ہے:

فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝

(وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔ طٰہٰ (۲۰): ۷)

"چھپے بھید" سے کیا مراد ہے؟ یہ واضح ہے اور جو اس سے بھی زیادہ مخفی ہے، وہ لاشعور میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ:

Marfat.com

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ۔

(وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔ المومن (۴۰):۱۹)

وہ مرئی اور غیر مرئی ہر بات سے واقف ہے:

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَىْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ۝

(خدا ہی اُس بچے سے واقف ہے جو عورت کے پیٹ میں ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف ہے) اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔ وہ دانائے نہاں و آشکار ہے۔ سب سے بزرگ (اور) عالی رُتبہ ہے۔ کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔ الرعد (۱۳):۸-۱۰)

اللہ تعالیٰ کا علم ماضی یا حال تک محدود نہیں بلکہ مستقبل پر بھی حاوی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی یہ صفت اس آیۂ مبارکہ میں بیان فرماتا ہے؟

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

(کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں۔ ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔ (اور) یہ (کام) خدا کو آسان ہے۔ الحدید (۵۷):۲۲)

چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم مرئی (طبیعیاتی) اور غیر مرئی (مافوق الطبیعیاتی) اشیاء پر محیط ہے اس لیے وہ ایک ایک جزو کی تفصیل سے واقف ہے۔ معمولی سے معمولی اور چھوٹی سے چھوٹی اشیاء سے لے کر بڑی سے بڑی اشیاء بھی اس کے علم میں ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰٮكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

(اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ

Marfat.com

اور کوئی ہری یا سُوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔ اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اُس سے خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اُٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) مدتِ معین پوری کر دی جائے۔ پھر تم (سب) کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اُس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے رہتے ہو (ایک ایک کر کے بتائے گا۔ الانعام (۶) ۶۰-۵۹)

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

(جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اسمیں سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اس پر چڑھتا ہے سب اس کو معلوم ہے اور وہ مہربان (اور) بخشنے والا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ (قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی۔ کہہ دو کیوں نہیں (آئے گی) میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آکر رہے گی۔ (وہ پروردگار) غیب کا جاننے والا ہے۔ ذرّہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں نہ زمین میں اور کوئی چیز اس سے چھوٹی یا بڑی نہیں مگر کتابِ روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔ سبا (۳۴) ۲-۳)

اب تک ہم علم کے ذریعے کائنات کی خداوندی خبرگیری کی بات کر رہے تھے اور درحقیقت کائنات کو نہایت درجہ توجہ سے صحیح سمت میں متحرک رکھنا اس سے الگ نہیں۔ مؤخر الذکر اول الذکر پر مبنی ہے اور اس سے غیر منفک ہے اور یہ خبرداری اللہ کی ایک نعمت ہے اور خدائی ہدایت ہمیشہ انسان پر توجہ رکھے گی، اس کی دستگیری کرے گی اور اس کا خیال رکھتے ہوئے اُسے زندگی اور زندگی کی خوشیوں سے ہمکنار کرے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس طرح تخلیق کیا ہے کہ وہ انسان کے جائز مفادات کے حصول میں ممد ہو۔ اللہ انسان کا کیسا عظیم رفیق، ہمدم اور نگہبان ہے کہ تنہائی، رنج و راحت ہر مرحلے میں مسلسل اس پر نگاہ رکھتا ہے اور متواتر اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس نے انسان کے دنیا سے لطف اندوز ہونے کے لیے کیسے کیسے سامان مہیا کر رکھے ہیں اور قدم قدم پر انسان کے لیے راحتیں

Marfat.com

اور نعمتیں فراہم کی ہیں۔

کائنات کی محافظتِ خداوندی:

اب تک ہم نے "بامقصد ربطِ باہمی"، "تائیدِ ایزدی" اور "ہدایت" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اب ہم "محافظت اور نگہداشت" کو بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات اور مخلوقات پر ہر لمحہ نظر رکھتا ہے اور اس کی نگہداشت سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مثل مشہور ہے: "سوئے سب سنسار جاگے پروردگار۔"

یاد رکھیے! "نگہداشت" یا "محافظت" کے الفاظ بامقصد ربطِ باہمی وغیرہ سے الگ نہیں بلکہ ان سے خدا کے وجود کا ثابت ہونا نہایت نازک اور ذاتی مسئلہ بن جاتا ہے۔ جب اس ثبوت کو ہم اس نظر سے دیکھیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید ایسی آیات سے لبریز ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کائنات، اور بالخصوص کائنات میں اپنی مخلوقات پر اپنی توجہ اور شفقتِ بے انتہا کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيۡنِ ۙ وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ۚ

(بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے) (یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیے۔ البلد (۹۰): ۸-۱۰)

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۞

(اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ اُن کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ الروم (۳۰): ۲۱)

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِىۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ۞ يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ ۚ فَمَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَاُولٰۤـئِكَ يَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ۞

(اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور اُن کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت

Marfat.com

سی مخلوقات پر فضیلت دی ۔ بنی اسرائیل (۱۷:۷۰)

اللہ نے قرآنِ حمید میں جگہ جگہ بندوں پر اپنی عنایات اور نوازشوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً رات اور دن کی نعمتوں کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(کہو! بھلا دیکھو تو اگر خدا تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کیے رہے تو خدا کے سوا کون معبود ہے جو تم کو روشنی لا دے تو کیا تم نہیں سُنتے ۔ کہو تو بھلا دیکھو تو اگر خدا تم پر ہمیشہ قیامت تک دن کیے رہے تو خدا کے سوا کون معبود ہے کہ تم کو رات لا دے جس میں تم آرام کرو تو کیا تم نہیں دیکھتے ۔ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور (اس میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو ۔ القصص (۲۸): ۷۱-۷۳)

کائنات کی نگہداشت کا ثبوت خدا کے وجود کا سب سے نفیس ثبوت ہے کہ اس نے انسان کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی ہر شے کو مسخر کر دیا ہے یعنی انسان اگر ہمت اور محنت سے چاہے تو ہر شے پر بالادستی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے. اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن ۔ لقمان (۳۱):۲۰)

منطقی طور پر اللہ عزّ و جل کا کائنات اور انسانوں پر اس درجہ مہربان ہونا ہی اس کے وجود کی دلیل ہے۔ ہر انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصار میں ہے جو اس کے ظاہر اور باطن کو محیط ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے پناہ مہربانیوں اور عنایتوں کا ذکر بڑے دلنشیں انداز میں یوں کرتا ہے:

Marfat.com

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

(اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو۔ **النحل** (۱۶:۱۸)

سقراط نے جو تمام فلسفیوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے، اپنے شاگرد ارسطا دمیس (کو اللہ کے وجود کا قائل بڑی خوبصورتی سے کیا۔ سقراط نے اپنے شاگرد سے پوچھا:

"کیا تم کسی ایسے شخص کی نشاندہی کر سکتے ہو جس کی اپنے فن میں مہارت تمہیں بے حد متاثر کرتی ہو؟" ارسطا دمیس نے کہا: "جی ہاں"۔ اور پھر اس نے اپنے زمانے کے ایک نہایت باکمال شاعر کا نام لیا۔ یہ سن کر سقراط نے پوچھا: "اچھا! یہ بتاؤ کہ تم کیا اُس مجسمہ ساز کے فن کو عظیم سمجھتے ہو جو بے جان اور بے عقل مورتیں تراشتا ہے یا اُس کے فن کو جو زندہ چلتے، پھرتے، ہنستے بولتے مجسمے بناتا ہے؟"

ارسطا دمیس نے کہا: "جناب! یقیناً میں زندہ چلتے پھرتے مجسمے بنانے والے کے فن کو عظیم کہوں گا، بشرطیکہ یہ تخلیقات محض اتفاقی یا حادثاتی انداز میں وجود میں نہ آئی ہوں بلکہ سوچ سمجھ کر بنائی گئی ہوں"۔

سقراط نے یہ سن کر شاگرد سے سوال کیا: "فرض کرو ہم یہ مان لیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا مقصدِ تخلیق ہم پر واضح نہیں ہوتا اور کچھ ایسی ہیں جن کا مقصدِ تخلیق ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے تو اس صورت میں تمہارے خیال میں کون سی تخلیق حکمت و دانائی کے تحت قرار دی جانی چاہیے اور کون سی اتفاقی یا حادثاتی؟"

ارسطا دمیس نے کہا: "بلاشبہ وہ چیزیں جن کے وجود کا مقصد اور ضرورت ظاہر اور روشن ہو، ذہانت اور حکمت کی تخلیق قرار پائیں گی"۔

سقراط نے کہا: "کیا تم نے انسان کے پیدا کرنے والے کا فن نہیں دیکھا کہ اُس نے جب پہلا آدمی پیدا کیا تو اُسے قوتِ لامسہ اور احساس عطا کیا کیونکہ اس کا مقصد واضح ہے۔ اس نے اُسے دیکھنے کو آنکھیں اور سننے کو کان عطا کیے کہ وہ یہ دیکھ اور سن سکے کہ اس کی زندگی کے لیے کیا مناسب اور کیا نامناسب ہے اور پھر ذرا اس پر بھی تو غور کرو کہ بہترین خوشبوؤں کا فائدہ کیا ہوتا اگر ہمیں ناک اور نتھنے نہ دیے جاتے؟ اسی

Marfat.com

طرح اگر زبان نہ عطا ہوتی تو ہم کڑوی، کسیلی اور میٹھی چیزوں میں کیسے امتیاز کرتے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہاری آنکھوں کو بہت سے خطرے لاحق ہوتے ہیں، ان میں گرد و غبار بھی گھس سکتا ہے۔ انہیں چوٹ یا رگڑ بھی لگ سکتی ہے۔ ہمارے پیدا کرنے والے نے اس کا لحاظ بھی رکھا ہے اور ہمیں پپوٹے دیئے ہیں جو کھڑکیوں کی طرح کھل اور بند ہو سکتے ہیں۔ پھر یہی نہیں، اُس نے تو ہوا میں اُڑنے والے باریک ذرّوں سے ہماری آنکھوں کی حفاظت کے لیے پلکیں بھی دی ہیں جو چھلنی کی طرح کام کرتی ہیں اور باریک ذرّوں کو روک لیتی ہیں اور پھر قدرتی آلاتِ سماعت یعنی کان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے کانوں میں ہر قسم کی آوازیں سما جاتی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کان اٹا اٹ بھر جائیں اور کچھ آوازوں کو جذب نہ کر سکیں؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جانداروں کے سامنے کے دانت اس طریقے سے ترتیب دیئے گئے ہیں کہ پہلے وہ چیزوں کو کاٹیں پھر اُنہیں ڈاڑھوں سے چبائیں؟ کیا تمہیں اب بھی یہ شک ہے کہ یہ سب کچھ حادثاتی اور اتفاقی طور پر ہو گیا ہے یا ذہانت اور عقل سے عمل میں آیا ہے؟"

ارسطا دمیس نے کہا: "بے شک اگر ہم ان تمام امور پر غور کریں تو بلا شُبہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کسی انتہائی دانشمند خلّاق کا عمل ہیں جس نے اپنی مخلوقات کو پوری توجہ اور غور و فکر سے تخلیق کیا اور اس کی ہر ضرورت، ہر فائدے اور نقصان کو مدِّ نظر رکھا ہے۔[1]

پوری کائنات پر اللہ کی توجّہ ہے اور انسان کو چشمِ بینا، گوشِ شنوا، ذہنِ رسا اور زبانِ گویا اسی لیے دیئے ہیں کہ وہ اس کا مشاہدہ کرے اور اپنے آس پاس ربِّ کائنات کی اُن رحمتوں اور عنایتوں کا اندازہ لگائے جو اُسے گھیرے ہوئے ہیں تو معلوم ہوگا کہ یقیناً یہ سب کچھ آپ سے آپ نہیں ہو رہا اور کسی اتّفاق یا حادثے کا نتیجہ نہیں۔ وہ ہستی جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جملہ خواہشیں اور کامرانیاں ہیں، اتّفاق یا حادثے کا ظہور خارج قرار دیتی ہے۔ ساخت و ترکیب وجودِ باری تعالیٰ کو ثابت کر رہی ہے۔

---

[1] ماخوذ از ڈیوڈ سنتلانا (مخطوطہ)

Marfat.com

آئیے! اب چیزوں کی ساخت اور ترکیب پر غور کریں اور دیکھیں کہ کس طرح ان میں اللہ کی قدرت کارفرما نظر آتی ہے۔ ذرا ان سادہ ترین چیزوں پر غور کیجیے جنہیں انسانی ہاتھوں نے تشکیل دیا ہے۔ مثال کے طور پر کدال ہی کو لیجیے جس سے کسان کھیت میں کام لیتا ہے یا ہتھوڑی جسے کوئی کاریگر استعمال کرتا ہے، اس کی لکڑی کا دستہ اور لوہے کے پھل کو دیکھیے۔ کیا یہ کدال اپنے آپ وجود میں آ گئی تھی؟ اس انداز کی سوچ ہم ایک معمولی سے اوزار کے متعلق نہیں اپنا سکتے تو پیچیدہ ساخت کی چیزوں، جیسے گھڑی یا ریڈیو سیٹ کے متعلق تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ خود بخود وجود میں آ گئی ہوں گی۔

مرحوم ڈاکٹر عبداللہ دراز نے اسی بات کو بڑی خوبصورتی سے سمجھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"کسی اونچے پہاڑ پر بنے ہوئے اور سرسبز درختوں میں گھرے ہوئے کسی ایک گھر کا تصور کیجیے جس کے کمرے خوبصورت فرنیچر سے آراستہ ہیں۔ یہ بھی فرض کر لیجیے کہ کوئی شخص اس پہاڑی مکان تک پہنچتا ہے مگر کسی کو وہاں نہیں پاتا۔ کیا وہ شخص یہ فرض کر لینے میں حق بجانب ہو گا کہ پہاڑ سے چٹانیں خود بخود جمع ہو گئی ہوں گی، انہوں نے خود کو اس مکان کی صورت میں ترتیب دے لیا ہو گا۔ جنگل کے درختوں کی شاخیں خود بخود ٹوٹ کر دلکش فرنیچر میں ڈھل گئی ہوں گی، دروازے کھڑکیاں اور روشندان آپ ہی آپ بن گئے ہوں گے۔ پیڑوں اور پودوں کی چھال اور ریشے اور اون وغیرہ خود بخود چادریں، پلنگ پوش اور قالین بن گئے ہوں گے اور خود ہی بستروں اور فرشوں پر جم گئے ہوں گے۔ قمقمے اور فانوس اپنے آپ یہاں پہنچ کر لگ گئے ہوں گے۔!"

ذرا انصاف سے سوچیے کیا آپ اس شخص سے یہ باتیں سن کر یہ نہ سوچیں گے کہ اس نے کوئی خواب دیکھا ہے، فسانہ سنا رہا ہے یا پھر اس کے دماغ میں خلل ہے؟

اب ذرا اس قصرِ عالیشان کو بھی خیال میں لائیے جس کی چھت آسمان ہے، فرش زمین ہے جس کے ستون درخت ہیں اور جس کے چراغ سورج، چاند اور ستارے ہیں کیا کوئی صحیح الدماغ انسان اس محل کو پہاڑ پر بنے ہوئے اینٹ پتھر کے مکان سے کم تر

Marfat.com

سمجھے گا ؟ کیا یہ سب چیزیں یہ اشارہ کرتی ہیں کہ اس کارخانۂ قدرت کو کسی ایسے زندہ وپائندہ خالق نے بنایا ہے، جو ہر بات پر قادر ہے جو کسی کا محتاج نہیں، جس نے اس کا نقشہ بنایا اور صُورت گری کی ہے ؟

ابھی ہم نے کارخانۂ قدرت میں اتفاق پر گفتگو مکمل نہیں کی۔ ہمیں خود سے یہ سوال کرنا چاہیے : کیا اتفاق کے تحت کوئی محل خود بخود تعمیر ہو جاتا ہے ؟ محل تو دُور کی بات ہے، کیا اتفاق کے تحت دروازوں اور کھڑکیوں سمیت کوئی کمرہ تک وجود میں آسکتا ہے ؟ کمرے کو بھی جانے دیجیے کیا کوئی دروازہ ہی خود بخود بن سکتا ہے ؟ اگر کوئی شخص چھاپے کے لاکھوں حروف جمع کر لے اور انہیں برسوں تک اِدھر سے اُدھر ترتیب دیتا رہے تو کیا وہ ادب، فلسفہ یا ریاضی پر کوئی کتاب "اتفاق" سے تصنیف کر لے گا ؟

بقول مشہور مستشرق ڈیوڈ سینتیلانا، دنوں اور سالوں کی بات بھی چھوڑیے۔ اگر وہ شخص ان حروف کو نسل در نسل تک بھی ترتیب دیتا رہے تب بھی محنتِ شاقہ کے بعد اس کی تقدیر میں صرف حروف ہی ہوں گے۔ اسی دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے سینتیلانا کہتا ہے کہ جب حرف وکتاب کا یہ معاملہ ہے تو یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ عظیم کائنات جس کے اجزا میں اتنی ترتیب، توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، بے کراں خلا میں اتفاقی گردشوں یا حرکات کی بدولت وجود میں آگئی ہوگی جیسا کہ مادّہ پرستوں کا خیال ہے ؟؟

ہر سمجھ دار انسان یقیناً ارسطو کے اس قول سے اتفاق کرے گا کہ ہر نظام، ہر سلیقہ، اپنے مُنہ سے خود بولتا نظر آتا ہے کہ اس کے پیچھے کس کی ذہانت اور دانش کارفرما ہے"۔

عین اسی انداز میں پہلے مسلم فلسفی الکندی (۱۸۵-۲۵۲ھ/ ۸۰۱-۸۶۶ء) نے کسی دروازے اور کرسی پر بنے نقش ونگار کی مثال سے سمجھایا ہے کہ جس طرح وہ اپنے بنانے والے فنکار کے عمل کو ظاہر کرتے ہیں، اسی طرح یہ عظیم کائنات اتنی گئی گزری نہیں کہ اپنے بنانے والے کا پتہ نہ بتا سکے۔ دیانت داری سے سوچا جائے تو اس میں کوئی شبہہ نہیں ہو گا۔ الکندی مزید کہتا ہے کہ اگر ہم اس دنیا کو ایک کُل کی حیثیت سے دیکھیں تو ہم پر یہ حقیقت کھُلے گی کہ اس کے مختلف حصّے بہترین ترتیب رکھتے ہیں، اپنے ساخت اور تشکیل میں یہ انتہائی مکمل، کارآمد،

Marfat.com

اور بامقصد ہیں اور ایک حصّے کا دوسرے حصّے پر اس طرح انحصار ہے گویا وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ کسی بالغ نظر انسان پر خالق عالم کی یہ ساری حکمتیں روزِ روشن کی طرح واضح ہوں گی۔ وہ کہتا ہے کہ مظاہرِ قدرت جس طرح اثرانداز ہوتے ہیں وہ خلاقِ اوّل کے مرتّب کردہ خاکے کا واضح ثبوت مہیا کرتے ہیں۔

"کائنات کے اس نظام و ترتیب میں کچھ حصّے دوسرے حصّوں کو متاثر کرتے ہیں۔ کچھ حصّے دوسرے حصّوں کی رہنمائی کے محتاج ہوتے ہیں جبکہ بعض ایسے ہیں جو دوسروں کو اپنا تابع بنا لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اُن پر غالب آجاتے ہیں اور اس عمل کی کارفرمائی ہر جاندار اور بے جان شے میں نظر آتی ہے۔ اسی سے مٹنے والی ہر چیز مٹ جاتی ہے اور باقی رہنے والی مضبوطی سے جم جاتی ہے۔ یہی عمل کسی شے کو جامد اور ٹھوس حالت میں رکھتا ہے اور کسی کو معدوم یعنی غائب ہونے میں مصروف ہوتا ہے۔ بلاشُبہ یہ ہر شے کے تشکیلی نظام کا ایک انتہائی پیچیدہ عمل ہے جو کسی پہلے سے قائم کیے ہُوئے اندازے اور منصوبے کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا اور یہ کُھلی ہوئی بات ہے کہ ہر منصوبے کے پیچھے کسی حکیم و خبیر کا دُماغ" ضرور ہوتا ہے۔ منصوبہ سازی کے لیے منصوبہ ساز کا ہونا لازمی ہے اور ہر دانش کے لیے دانشمند کا ہونا ضروری ہے اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔"

جرمنی کے عظیم فلسفی کانٹ (KANT) نے اسی استدلال کے ذریعے خدا کے ہونے کا ثبوت دیا ہے اور یہی طریقہ مشرق و مغرب کے بہت سے بڑے بڑے فلسفیوں نے اختیار کیا ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے وجود کے جُملہ دلائل کا لبِ لباب یعنی رُوحِ قرآنِ حکیم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

(کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا۔ اور پہاڑوں کو اس کی میخیں نہیں ٹھہرایا؟ (بیشک بنایا) اور تم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا۔ اور نیند کو تمہارے لیے (موجب) آرام بنایا۔ اور رات کو پردہ مقرر کیا۔ اور دن کو معاش کا

Marfat.com

(وقت مقرر کیا۔ اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔ اور (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا۔ اور نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔ تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔ النبا (۷۸، ۶-۱۶)

اللہ جل شانہٗ کا وجود ہر شئے سے اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اب اس کے لیے مزید دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ غایت، نگہداری اور ترتیب و تشکیل کے جملہ ثبوت تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے وجود کا محض ایک ثبوت ہیں۔ ہر کام اپنے کارکن حقیقی کی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عین اسی طرح جیسے کسی جنگل یا میدان میں بنی پگ ڈنڈی اس راہ سے گزرنے والوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسی طرح افلاک، سیاروں کی ترتیب اور زمین پر بنی ہوئی راہیں اس عظیم حکمت و دانش والے خالقِ حقیقی کا پتہ دیتی ہے جو ہر علم کا سرچشمہ ہے اور ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔

اسلامی روایات میں اللہ واحد و لاشریک کے وجود کو ثابت کرنے کا یہی ایک طریقہ نہیں۔ اب چونکہ ہم نے اپنے زمانے کے انداز کے مطابق اللہ کے وجود کو ثابت کرنے کی راہ اپنائی ہے اس لیے ہم بڑے مختصر طور پر اس موضوع پر ایک دوسرے زاویے سے بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

ایمان والوں کے دلوں میں اللہ کا وجود پوری طرح ثابت ہے اور اللہ ہر چیز سے زیادہ واضح اور عیاں ہے حق تو یہ ہے کہ مسبّب، سبب سے اور خالق تخلیق سے موجودات کے مقابلے میں پیدا کرنے والے کا وجود زیادہ نمایاں ہے۔

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے پاک و باعظمت ناموں میں سے ایک نام "الظاہر" بھی ہے جس کے معنی ہیں خود کو ظاہر کر دینے، خود کو منکشف کر دینے والے کے ہیں۔

علامہ تاج الدّین ابن عطاء اللہ الاسکندری ایک عظیم صوفی اور قانونِ اسلامی یعنی شریعت کے ماہر ہو گزرے ہیں۔ اُنھوں نے "الظاہر" کے معنی پر حکمت اقوال میں کئی زاویوں سے پیش کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

بھلا عقل میں یہ بات کیوں کر سمائے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ حجاب میں ہے جبکہ ہر چیز کا پردہ کھولنے والا، اُسے پوری طرح ظاہر کرنے والا وہی تو ہے۔

Marfat.com

عقل و شعور کیسے تسلیم کرلے کہ وہ کسی شے میں مستور ہے جبکہ ہر شے کے وجود سے پہلے وہ آشکار تھا۔

اور بھلا دانش و آگہی کیسے مان لے کہ کسی نے اُسے چھپا رکھا ہے جب وہ شہ رگ سے زیادہ نزدیک تر ہے۔

دل و دماغ کیوں کر اس بات کا یقین کرلیں کہ کسی پردے نے اُسے ڈھانپ رکھا ہے جبکہ اس کی ذات وہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو کوئی شے بھی وجود نہ پاتی۔ اللہ عزّوجل کے وجود کو ہم جن اشیا کے ہونے سے ثابت کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں ان میں اور اس میں زمین اور آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے جس کی ذات کے وسیلے سے ہم اشیا کا وجود پاتے ہیں۔ اس مالک الملک نے سچائی اپنے بندوں پر روشن کر دی ہے۔ ہر شے کی اصل اُس کے وجود کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

اللہ کے وجود کے ثبوت کی تلاش کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس تک پہنچنے کی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ بھلا وہ کب موجود نہیں تھا جو ہمیں اس کے وجود کی تلاش ہو گئی ہے؟ اور وہ ہم سے کب دُور تھا جو ہم اُسے ڈھونڈ رہے ہیں؛

ابنِ عطاء اللہ، اللہ کے حضور یہ دعا مانگا کرتے تھے:

”اے ربِّ اعلیٰ! ہم تیرے وجود کو کس طرح ثابت کریں۔ ہمارے وجودوں کا انحصار ہی تجھ پر ہے۔

بھلا تجھ سے زیادہ ظاہر اور آشکار کون ہوسکتا ہے؟

اے میرے رب! تُو کب غائب تھا جو تیرے وجود کو ثبوت کی ضرورت ہو۔

اے رحیم و کریم! تُو دُور ہی کب تھا جو تجھے ڈھونڈا جائے؛“

بہر حال! اللہ کے وجود سے متعلق یہ صوفیانہ سوچ ہے جس کا محض حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کی گہرائیوں میں جانے کا یہاں موقع نہیں۔

Marfat.com

باب سوم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین

اشھد ان محمداً رسول اللہ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں)

ہر مسلمان کے لیے یہ شہادت لازمی ہے: "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں" ایمان کے داخلی اجزا ہیں جو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔

ہم یہ شہادت کیسے دیں گے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ اس کا جواب عظیم مفکرِ اسلام امام غزالیؒ یوں دیتے ہیں:

"اگر آپ کو کسی شخص کے رسول ہونے میں شک وشبہہ ہو تو اس بات کا صحیح پتہ چلانے کے دو ہی طریقے ہیں ایک یہ کہ آپ خود اس کے احوال کا مشاہدہ کریں یعنی اُسے اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے دیکھیں۔ اس کی باتیں سُنیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اُن لوگوں سے اس کے حالات سُنیں جنہوں نے یا تو براہ راست اس کی باتیں سُنی ہیں، اُسے عبادت کرتے، کھاتے پیتے دیکھا ہے یا اُن لوگوں سے

Marfat.com

اس کے حالات سُنے جنہوں نے براہِ راست اس کے دیکھنے والوں سے اس کے حالات سُنے ہیں۔

"اگر آپ علمِ طِب سے واقفیت رکھتے ہیں یا فقہ کا علم رکھتے ہیں تو آپ آسانی سے کسی طبیب اور فقیہہ کو پہچان لیں گے۔ آپ لوگوں سے معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کیسے ہیں ؛ وہ کہتے کیا ہیں ؟ دوسرا طریقہ انہیں پہچاننے کا یہ ہے کہ آپ براہِ راست اُن کا مشاہدہ کریں۔ اسی طرح آپ خود کو مطمئن کر سکتے ہیں کہ بے منّتِ غیر اُن کو پہچان سکتے ہیں مثلاً امام شافعیؒ ایک فقیہہ تھے اور حکیم جالینوس ایک طبیب۔ یہی نہیں آپ اُن لوگوں کی تصنیف کردہ کچھ کتابیں پڑھ کر طب اور فقہ کے متعلق بھی کچھ جان سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی تحریروں کے خواص آپ پر یہ کھول دیں گے کہ یہ لوگ تھے کیسے ؟ بعینہٖ یہی صورتِ حال "رسالت" کے معاملے میں ہے، جب آپ اس کا مفہوم جان لیں تو اسے سمجھ سکتے ہیں۔

رسالت کے منصب کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی روشن، پاک و صاف، بُلند اور اعلیٰ زندگی کی مختلف منازل کا درجہ بہ درجہ مطالعہ کریں۔

آپ کی پیدائش نہایت عزّت والے اور قابلِ احترام گھرانے میں ہُوئی۔ اس گھرانے کی عظمت، بلندی اور شرافت اس بنا پر لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہُوئی تھی کہ ان میں سے بہت سے افراد نے عام لوگوں کی بھلائی اور بہتری کے بہت سے کام کیے تھے۔ مثال کے طور پر آپؐ کے اجداد میں ایک صاحب قصّی نام کے تھے۔ انہوں نے مکّہ معظمہ میں خانۂ کعبہ کے سامنے ایک ایوان تعمیر کیا تھا جسے عربی زبان میں "دارالندوہ" (یعنی صلاح مشورے کی جگہ) کہا جاتا تھا۔ یہ گویا قریش والوں کی "پارلیمنٹ" تھی جس میں باہمی صلاح مشورے سے قبیلے کے تمام امور طے کیے جاتے تھے۔ یہیں جھگڑے طے ہُوا کرتے تھے یہیں شادی بیاہ کے اجتماع ہوتے تھے اور یہیں صلح اور جنگ کے فیصلے ہوتے۔ قبیلۂ قریش اسی جگہ کسی کو جنگ کے لیے اپنا امیر مقرر کرتا تھا اور اس

Marfat.com

کا طریقہ یہ تھا کہ اُس شخص کے نیزے کے ساتھ قبیلے کا پرچم باندھ دیا جاتا تھا۔ یہ رسم قصّی اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔

اُس زمانے میں لوگ دُور دُور علاقوں سے تجارت کی غرض سے جاتے تھے۔ جانے والے اپنے سفر کا آغاز بھی اسی مقام سے کرتے، اور لوٹ کر اسی جگہ اس کا اختتام بھی۔ ہر دو مواقع پر وہ قصّی سے مشورے اور ہدایتیں لیتے تھے۔ وہ ان کا حد درجہ احترام کرتے اور اُن کی ہدایات کو مذہبی فرائض کی طرح بجالاتے۔

قصّی کے بیٹے عُبدِمناف، باپ کے نقشِ قدم پر چلے اور اُنھی کی طرح لوگوں میں مقبول و محترم ہو گئے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے ہاشم کو بھی لوگوں نے اپنا سردار تسلیم کر کے عزّت بخشی۔ ہاشم بڑے سخی تھے۔ اُنھوں نے ایک مرتبہ خشک سالی اور قحط کے دنوں میں مکّہ مکرمہ کے لوگوں کی بڑی مدد کی اور اُنھیں بھوکوں مرنے سے بچایا تھا۔

رحمتِ عالم حضرت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دادا حضرت عبدالمطّلب اپنے قبیلے قریش اور عرب کے دوسرے قبیلوں میں مردِ دانا کے طور پر بڑی عزّت کے حامل تھے۔ انھوں نے لوگوں کی بھلائی کے لیے جو کام کیے اُن میں سے بعض کی تعریف قرآنِ مجید میں آئی ہے، جیسے محرمات سے شادی اور نومولود بچیوں کو زندہ دفن کرنے پر پابندی، اور چور کا ہاتھ کاٹنا۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تمام سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ قریش کے معزّز ترین گھرانے کے فرد تھے۔ آپؐ نجیب الطرفین تھے یعنی آپؐ کے باپ اور ماں دونوں کے گھرانے انتہائی لائقِ احترام سمجھے جاتے تھے۔

مشہور مورخ ابنِ ہشام کا کہنا ہے کہ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گھرانہ باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی مکّے کے تمام گھرانوں میں ممتاز اور مرکزی حیثیّت کا مالک تھا۔ ایسے مبارک گھرانے میں آپ کی پیدائش سے اللہ تعالیٰ کا واضح مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے بندوں کو جہالت اور گناہ کے اندھیروں سے نکالے۔ اس بات کو واضح طور پر یوں سمجھ

Marfat.com

لیجیے کہ اگر اللہ کا پیغام لانے والا، اس کی کتاب پہنچانے والا کسی معمولی گھرانے میں پیدا ہوتا تو یقیناً عرب کے مغرور قبائل کو اس کی بات سُننے میں تأمل ہوتا۔ شاید وہ طرح طرح کے اعتراض بھی کرتے مگر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چونکہ کُل انسانیت کا استاد اور معلّم ہونا تھا، پُوری آدمیت کی پناہ گاہ بننا تھا اس لیے ماں اور باپ دونوں کی طرف سے آپؐ انتہائی محترم اور معظم گھرانوں سے وابستہ کیے گئے اور اُس زمانے کا کوئی شخص بھی آپ کے گھرانے کی عظمت سے انکار نہیں کرتا تھا۔ تو یاد رکھیے! رسالت کی ابتدا کے لیے یہ تھا انتظامِ الٰہی۔

لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے رہبرِ اعظمؐ کی شروع دن سے تربیت، حفاظت اور رہنمائی فرمائی تاکہ آپ رسالت کے زبردست مشن کو سنبھالنے کے لیے ہر طرح تیّار کر دیے جائیں، کیونکہ آپؐ ہی کی ذاتِ بابرکات تمام عالم کے انسانوں کو اس دنیا میں زندگی گزارنے کا سیدھا اور سچا راستہ اور اللہ اور بندے کے درمیان صحیح تعلّق سمجھانے والی تھی۔ آپؐ ہی نے لوگوں کو بتایا کہ اُن کے انفرادی فرائض کیا ہیں اور ان کی اجتماعی ذمّے داریاں کیا ہیں۔ آپؐ نے ہر فرد کو معاشرے کے رُکن کی حیثیت سے، خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم، شوہر ہو، باپ ہو، بیٹا ہو یا بھائی، مزدور ہو یا مالک، اپنی ذمہ داریاں سکھائیں۔

اس سلسلے میں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیثِ مبارکہ ملاحظہ کیجیے:

"تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اور تم سب سے اُس چیز کے بارے میں پُوچھا جائے گا جس کی نگہداری اس کے سُپرد تھی۔ قوم کا سربراہ اپنے محکوموں کے بارے میں، انسان اپنے گھر کے معاملات میں، عورت امورِ خانہ کے متعلّق اور غلام اپنے آقا کے بارے میں مسئول ہے۔ اس لیے (یاد رکھو!) تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور اپنے زیرِ توجّہ (امور) کے بارے میں جواب دہ ہے۔"

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادتِ باسعادت ہی سے گناہوں اور گمراہیوں کی

Marfat.com

بنیادیں متزلزل ہوگئیں۔ حضورؐ کی سیرت میں قدرتِ الٰہی سے ان کے اشارے ملتے ہیں جنہیں محض 'نشانات' تصور کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں پہلا تذکرہ یہ ملتا ہے کہ جس رات رہبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ایران میں ساوا جھیل کا پانی اُتر گیا جس سے کیخسرو کے عالیشان محل میں شگاف پڑ گئے اور پارسیوں کی مقدس آگ بجھ گئی۔

اب رہا اُن بتوں کا معاملہ جو کعبہ کے گرد رکھے ہوئے تھے تو اُن کی تباہی کے گنے چُنے دن ہی رہ گئے تھے۔ بت پرستی، جہالت، ناانصافی اور ظلم کے ستون حضورؐ کی ولادتِ باسعادت کے دن ہی سے لرزنے لگے تھے۔

نومولود کا نام 'محمدؐ' رکھا گیا۔ یہ ایک نیا نام تھا اور اس کے متعلق کئی روایتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی والدہ آمنہ کے پیٹ میں آئے تو انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں انہیں بتایا گیا کہ اُن کے پیٹ میں آقائے اُمت ہیں۔ جب وہ پیدا ہوں تو انہیں کہنا چاہیے: "میں اس بچے کو چشمِ حسود سے اللہ واحد کی پناہ اور حفاظت میں دیتی ہوں۔" اور اس کے بعد انہیں اس مبارک بچے کو محمد کے نام سے پکارنا چاہیے۔

لفظ 'محمدؐ' کے معنی ہیں "جس کی تعریف کی گئی ہو"۔ ایک اور روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو انہیں ان کے دادا عبدالمطلب کو دکھایا اور پھر نام کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "میں اس کو محمدؐ کے نام سے پکاروں گا۔" جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ اس بچے کو محمدؐ کا نام کیوں دے رہے ہیں جبکہ آپ کے باپ دادا میں اس نام کا کوئی شخص نہیں گزرا تو انہوں نے جواب دیا کہ "مجھے اُمید ہے کہ تمام دُنیا کے لوگ اس کی تعریف کریں گے۔"

اس روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام خواب میں سُنا تھا۔

اس خواب کو مشہور فاضل القیروانی نے اپنی کتاب "البستان" میں یُوں بیان کیا ہے:

"عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ چاندی کی ایک زنجیر سی اُن کی پیٹھ سے نکلی جس کا ایک سرا زمین میں تھا اور دوسرا آسمان میں۔ ایک سرا مشرق میں تھا اور

Marfat.com

دوسرا مغرب میں۔ پھر یکایک یہ زنجیرِ نُور کا ایک درخت بن گئی جس کے ہر پتّے سے روشنی پھُوٹ رہی تھی۔ انہیں یُوں محسوس ہُوا جیسے مشرق و مغرب کے تمام لوگ اس کی شاخوں سے لٹک گئے ہیں۔ جب اُنھوں نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا تو انھوں نے یہ تعبیر دی تھی کہ اُن کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوگا، مشرق و مغرب کے لوگ اُس کے عقیدت مند ہو جائیں گے اور آسمان اور زمین کی تمام مخلوق اس کی تعریف کرے گی، اس پر درود بھیجے گی۔ اسی بناء پر عبدالمطلب نے رہبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "محمّد" رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بچپن میں عرب کے شرفاء کے رواج کے مطابق ایک خاتون حلیمہ سعدیہ صحرائی علاقے کی کھُلی فضا میں قبیلہ بنی سعد کے جوار میں پرورش کے لیے لے گئی تھیں۔ یہ بات باعثِ حیرت نہیں کہ مستقبل میں مبعوث ہونے والے اس نبی نے مکّہ سے منزل تک پہنچنے کے سفر کو مسرت، شادمانی، محبت اور اُمید سے بھر دیا۔ حضورؐ کی معیت میں، آپؐ کی معصومیت، پاکیزگی، شادمانی، بچپن اور رُخِ مبارک کی شادابی کی بدولت نہ صرف حلیمہ اور اُن کے شوہر، بلکہ سواری کے جانور بھی خوشی سے سرشار تھے اور اُنہیں سفر کی صعوبت کا ذرا سا بھی احساس نہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ بابرکات کی بدولت حلیمہ کے دہقانی مسکن میں بہار آگئی اور چرواہوں کے اس مختصر گھرانے پر اللہ کی برکتوں اور مہربانیوں کا مینہ سا برسنے لگا۔ محمّدؐ پر اُن کی شفقت اور توجّہ بڑھتی گئی اور حضورؐ محبت، خوش خلقی اور رحمدلی کی کھُلی فضا میں پروان چڑھنے لگے۔ حلیمہ سعدیہ کے ریوڑ میں خوب اضافہ ہُوا اور اُن کی بکریاں زیادہ دُودھ دینے لگیں۔ اُنھوں نے محسوس کیا کہ یہ بچّہ انہیں رحمت و کرم کا ایک چشمہ ہے اور اُن کا یہ سمجھنا ہر طرح سے دُرست تھا کیونکہ بعد میں اسی بچے پر جو آسمانی کتاب وحی کے ذریعے نازل ہُوئی اُس میں اللہ نے اپنے اس رسول کو سارے عالموں کے لیے رحمت قرار دیا۔ ننھے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے دم قدم سے حلیمہ کو جو رحمتِ الٰہی میسّر آئی تو وہ اور اُن کا پُورا کنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا شیدائی ہوگیا

Marfat.com

اور حد درجے محبت سے ان کی پرورش کرنے لگا۔

یوں رہبرِ انسانیت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو زندگی کے آغاز ہی میں جو ساز گار فضا میسر آئی اُس نے اُن کے قلب و رُوح پر بڑے خوشگوار اثرات مرتّب کیے اور آپؐ کے خیالات اور احساسات میں بڑی پاکیزگی اور لطافت پیدا ہو گئی۔

زندگی کے چوتھے سال میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی پاکیزگی اور طہارت کو مکمل کرنے کے لیے خاص اقدام کیے اور اسی میں "شقِ صدر" کا واقعہ پیش آیا۔ حدیثوں کے مجموعے "صحیح مُسلم" میں ایک حدیث حضورؐ کے ایک صحابی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ بچپن میں حضورؐ اپنے ہم عمر بچّوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ اللہ کا فرشتہ جبرائیل اُن کے پاس آیا اور اُس نے لٹا کر حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سینۂ مبارک چاک کر دیا اور اس میں سے آپؐ کا دل نکال کر چیرا اور اُس میں سے ایک سیاہ رنگ کا لوتھڑا نکال کر یہ کہتے ہوئے پھینک دیا کہ "آپؐ کے دل سے شیطان کا اثر زائل کر دیا گیا ہے"۔ پھر جبرائیل نے آپؐ کے قلب کو سونے کے ایک تسلے میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا اور دل کو اصلی جگہ پر رکھ کر جوڑ دیا۔ اُن کے ساتھ کھیل میں شریک بچّے ڈر کر اُن کی دایا حلیمہ سعدیہ کے پاس دوڑے گئے اور انہیں اطّلاع دی کہ ننّھے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کسی نے قتل کر دیا۔ حلیمہ کا پُورا خاندان دیوانہ وار اُس جگہ پہنچا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم بخیر یت اُن کی طرف آرہے تھے۔ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔

ذرا غور کیجیے اللہ نے اس کم عمری میں آپؐ کے دل سے شیطانی اثرات زائل کر کے آپؐ کو ہر طرح کی بُرائیوں سے کُلّی طور پر محفوظ کر دیا۔ یہ کتنی عظیم نگہداری اور کرم تھا! حضورؐ کی والدہ آمنہ نے شاید اسی بناء پر فرمایا تھا:

"اللہ کی قسم! شیطان مردود کبھی اس تک راہ نہ پائے گا۔" اور واقعی حضورؐ ہر بُرائی، ہر خطا سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیے گئے اور شیطان کبھی آپؐ کے دل میں وسوسہ پیدا نہ کر سکا۔

Marfat.com

حضورؐ کی بھرپور جوانی کے دور میں مکہ میں عیش و عشرت کے سینکڑوں ٹھکانے بنے ہوئے تھے کہیں جُوا کھیلا جاتا تھا، کہیں شراب کے جام چلتے تھے اور شرم و حیا سے عاری عورتیں، مردوں کے سامنے ناچتی تھیں۔ اُس شہر کے تقریباً سبھی نوجوان ان بے ہُودہ موج میلوں میں شریک ہوا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قدم کبھی ان حیا سوز محلبسوں میں پڑنے نہیں دیا۔

حضورؐ کی حدیثوں کے مشہور مجموعے صحیح البخاری میں ایک روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ فرمایا: "میرے دل میں جاہلیت کے ان بے ہُودہ مشاغل میں شریک ہونے کا کبھی خیال نہیں آیا سوائے دو موقعوں کے۔ دونوں موقعوں پر مَیں ایک دُوسرے لڑکے کے ہمراہ بھیڑیں چرا رہا تھا۔ دونوں ہی بار میرے ساتھی نے مجھ سے کہا کہ مَیں اُس کی بھیڑوں پر نظر رکھوں کیونکہ اُسے کسی شادی میں شرکت کرنا تھی۔ رقص اور گانا بجانا بھی تھا۔ دونوں ہی بار ایسا ہُوا کہ جب مَیں نے اُس محفل میں شرکت کا ارادہ کیا تو مجھ پر نیند طاری ہو گئی اور مَیں اگلے دن سُورج طلوع ہونے کے وقت ہی اُٹھا۔"

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب اور چیدہ رسولؐ کو کس خوش اسلوبی سے حیا سوز محفلوں اور بُری صحبتوں سے بچایا۔

اسی حدیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرتبۂ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم بنی سعد کے قبیلے اور مکّے میں بھیڑ بکریاں بھی چراتے رہے۔ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ "جب موسیٰؑ کو پیغمبری ملی تو وہ ایک چرواہے تھے اور جب یہی منصب داؤد علیہ السّلام کو ملا تو وہ بھی گلّہ بانی کرتے تھے اور جب مجھے فرمانِ الٰہی پہنچا تو مَیں بھی اجیاد کے مقام پر اپنی قوم کی بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا۔"

کتاب "رُوض الاُنُف" کے مصنّف فرماتے ہیں کہ اللہ کی مرضی اور منشا یہ رہا کہ اُس کے پیغمبر قوموں اور ملتوں کی گلّہ بانی اور نگہداری سے پہلے بھیڑ بکریوں کے

Marfat.com

چرواہے بن کر دکھائیں"۔

جب جوانی کا پُرشور دور ختم ہُوا تو آپؐ اُس وقت صُبح کے اُجالے کی طرح پاک صاف، ہر لغزش، ہر گناہ سے مبرّا تھے۔ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

الامین

مکّے کے لوگوں نے حضرت محمدؐ کی جو خُوبیاں اور اوصاف دیکھے تو اُن کی بناء پر اُنہوں نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو "الامین" کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔ الامین کے معنی ہیں ایمان دار، دیانت دار، لوگوں کی امانتوں کا محافظ، کھرا، سچّا۔ حضور اکرم رہبرِ انسانیت صلّی اللہ علیہ وسلّم زندگی کے ہر شعبے میں ایمان دار تھے۔ سب سے پہلے تو خود اپنی ذات کے ساتھ اُنہوں نے کمال درجے کی ایمان داری برتی۔ خود کو بُت پرستی، شرک، بدی، بداخلاقی، جھوٹ، غیبت اور بدگوئی سے محفوظ رکھا۔ روپے پیسے کے معاملے میں بھی آپ حد درجے ایمان دار تھے۔ اکثر لوگ اپنا روپیہ پیسہ اور دوسری قیمتی چیزیں آپ کے پاس کچھ وقت کے لیے رکھوا دیتے تھے۔ آپ ان کی طلب پر پوری دیانت داری کے ساتھ اُن کی امانتیں لوٹا دیتے تھے۔ آپؐ کے دل میں کبھی لالچ اور دھوکہ دہی کے خیالات نہیں اُبھرے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی گفتگو میں بھی حد سے زیادہ ایماندار تھے۔ کبھی کسی کے لیے بُرے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ کبھی کسی کی چُغلی نہیں کھائی۔ کبھی کسی کی پیٹھ پیچھے بُرائی نہیں کی۔ کسی کی کہی ہُوئی بات کبھی بڑھا یا گھٹا کر پیش نہیں کی۔ کبھی کسی کے راز نہیں کھولے۔

ایک مرتبہ قریش کے تمام قبیلوں نے کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب تعمیر اس مقام پر پہنچ گئی جہاں آسمان سے آیا ہُوا ایک سیاہ پتھر جسے "حجرِ اسود" کا نام دیا جاتا ہے، دیوارِ کعبہ میں نصب کرنا تھا، تو قریش کا ہر سردار چاہتا تھا کہ وہ اس مقدّس پتھر کو اپنے ہاتھ سے دیوار میں لگائے۔ اس بات نے ایک جھگڑے کی صُورت اختیار کر لی اور پُرجوش سرداروں نے تلواریں نیام سے نکال لیں۔ ایک

Marfat.com

زبردست قبائلی جنگ میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی کہ اُن میں سے کچھ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو، اُسے ثالث مان کر اس معاملے میں اس سے فیصلہ لیا جائے اور اُس پر عمل کیا جائے۔ اگلے دن جب لوگوں نے آپؐ کو سب سے پہلے کعبہ میں آتے دیکھا تو سب خوشی سے چیخ اُٹھے: "لو! امین آگیا۔ دیانت دار آگیا"۔ اب ذرا آپؐ کی سمجھ بوجھ کی بلندی اور پاکیزگی دیکھیے کہ آپؐ نے ایک چادر لے کر اس سیاہ مقدس پتھر کو اُس کے بیچ میں رکھا اور قریش کے تمام سرداروں سے کہا کہ اس چادر کے کونے پکڑ کر اُٹھاؤ۔ جب چادر دیوارِ کعبہ کے برابر اُوپر اُٹھا دی گئی تو رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے سیاہ پتھر اُٹھا کر دیوارِ کعبہ میں جڑ دیا۔ اس طرح تمام سرداروں کو اس مُبارک کام میں اپنی شراکت کا احساس ہو گیا اور ایک خوفناک جنگ کا امکان ختم ہوگیا۔ حضورؐ کی پوری زندگی ایمانداری کی ایک روشن قندیل تھی۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: "جس میں دیانت داری نہیں اُس میں ایمان نہیں"۔

جب مُعلّمِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی رشتے داروں کو خبردار کر دو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ کے قریب ایک پہاڑی صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلے قریش کو پکارا۔

آپ کی آواز سُن کر قبیلے والے دوڑے آئے اور وہاں جمع ہو کر انہوں نے کہا: "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات ہے۔ آپؐ نے ہمیں کیوں آواز دی ہے!" رسولِ امینؐ نے فرمایا: "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے نیچے دشمن کی فوج کے گھڑسوار حملہ کی نیت سے بڑھ رہے ہیں تو کیا تم یقین کر لو گے؟" ان سب نے ایک زبان ہو کر کہا: "ہاں! ہاں! کرلیں گے۔ تم امین ہو۔ سچے اور ایماندار ہو۔ تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے"۔ یہ سُن کر پیغمبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "میں تمہیں روزِ قیامت سے ڈراتا ہوں۔ تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اُس دن گنہگاروں کی سخت پکڑ ہوگی"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تمام قبیلوں کو نام بنام پکار

Marfat.com

کر کہا: "اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبد مناف! اے بنی زُہرہ"..... وغیرہ۔ پھر فرمایا: "اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے قریبی رشتے دار قبائل کو خبردار کر دوں کہ میں اس دُنیا میں اور اس کے بعد کی دُنیا میں تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا تاوقتیکہ تم اس بات کا اقرار نہ کر لو کہ کوئی ربّ نہیں ہے سوائے اللہ کے"۔

اب ہو سکتا ہے کہ آپ کے دل میں یہ خیال آئے کہ ہمارے آقا و مولا ہادیٔ کامل نے اس اعلان کے لیے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ کیا وہ قریش سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اللہ ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔ بات دراصل یہ تھی کہ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ اتنی صاف ستھری اور پاکیزہ تھی کہ قریش کبھی اس کے برعکس گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ نہ یہ سوچ سکتے تھے کہ محمدؐ غلط بات کہیں گے۔ آپؐ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ قریش سچائی کو تسلیم کرنے کا کتنا حوصلہ رکھتے ہیں؟ اسی لیے آپؐ نے برملا اعلان کیا کہ آپؐ کی زندگی ہی آپؐ کی صداقت کی دلیل تھی۔ اگر قریش حق پسند اور مخلص ہوتے تو آپؐ کو اعلانیہ اظہارِ حق نہ کرنا پڑتا اور صرف یہ کہنا ہی کافی ہوتا کہ "میں خدا کا رسول ہوں"۔ اور قریش اس پر ایمان لے آتے۔ کیونکہ تجربے نے آپؐ کی ذات پر انہیں گہرا اعتماد دیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوبکرؓ سبقت کرنے والوں میں سے تھے اور حضورؐ کے اعلان فرماتے ہی وہ ایمان لے آئے۔

آپؐ کی ایمانداری، دیانت اور سچائی پر دوست تو دوست، دشمنوں تک کو یقین تھا۔ جب ابوسفیان آپؐ کے بدترین دشمن تھے، اُس وقت بھی انہوں نے رُوم کے بادشاہ ہرقل کے سامنے نبیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا اقرار کیا تھا:

ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا: "کیا اللہ کا رسول ہونے کے دعوے سے پہلے کبھی تم کو اُن کے جھوٹے ہونے کا شُبہ ہُوا؟"

ابوسفیان نے کہا: "جی نہیں"! اس پر ہرقل نے کہا: "میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر وہ اللہ کے آگے جھوٹ بولنے کو تیار ہوتے تو لوگوں کے سامنے اس روش کو ہرگز نہ ترک کرتے"۔

Marfat.com

پھر اُس نے پُوچھا: "کیا محمدؐ نے کبھی کسی کو دھوکا دیا؟"

ابوسفیان نے کہا: "جی نہیں"۔ اس پر ہرقل نے کہا: "مَیں نے تم سے پُوچھا تھا کہ کیا اُنہوں نے کبھی کوئی دھوکا یا فریب کیا ہے؟ تم نے جواب دیا 'نہیں'، تو میرے نزدیک ایسے ہی لوگ اللہ کے رسول ہوتے ہیں۔ یہ کبھی دھو کے فریب سے کام نہیں لیتے"۔

ابوسفیان کی رُوم کے بادشاہ ہرقل سے بات چیت کا ذکر حدیث اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے۔ کچھ حصّہ یہاں اس لیے پیش کیا گیا کہ آپ دیکھیں کہ کیا سمجھ دار شخص (ہرقل) نے کس منطقی انداز میں پیغمبرِ آخر الزمان کے متعلق صحیح نتائج اخذ کیے۔

ہرقل نے ابوسفیان سے کہا: "مَیں نے تم سے اُن کے حسب ونسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے جواب دیا کہ اُن کا حسب نسب بہت بلند ہے تو انبیاء کا نسب ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کے معزّز اور بلند ترین لوگوں کی اولاد ہوتے ہیں۔

پھر ہرقل نے کہا، "اور مَیں نے تم سے یہ بھی پُوچھا تھا کہ وہ جو باتیں کہتے ہیں کیا اس سے پہلے بھی کسی نے کہی تھیں؟ تم نے جواب دیا "نہیں" اور مَیں نے اس پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ اگر 'اُن' (حضورِ اکرمؐ) سے پہلے کسی نے ایسی باتیں کہی ہوتیں تو مَیں یہ کہتا کہ یہ شخص اُس انسان کی نقّالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے ہو گزرا ہے"۔ پھر ہرقل نے کہا: "اور مَیں نے تم سے یہ بھی تو پُوچھا تھا کہ اُن (سرکارِ دوجہاںؐ) کے باپ دادا وں میں کبھی کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟ تو تم نے جواب دیا تھا: "نہیں" اور مَیں نے تم سے کہا تھا کہ اگر ایسا ہوتا تو مَیں شاید تم سے یہ کہتا کہ یہ شخص اپنے بزرگوں کی بادشاہت دوبارہ زندہ کرنے کے سامان کر رہا ہے"۔

اگر ہم رہبرِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زندگی کا مطالعہ حسب ونسب کے پہلو سے کریں یا اُن کی شخصیت کے نفسیاتی ارتقاء پر غور کریں تو وہ سرتاپا خلوص نظر آئیں گے بقول مشہور عالمِ تاریخ ابنِ خلدون، رسالت کی نشانیاں اور آثار اُن کی شخصیت سے اس طرح عیاں تھے کہ کوئی بھی دانا اور فہیم شخص اُنہیں دیکھتے ہی اُن پر ایمان لے

Marfat.com

آنے کے سوا کچھ اور نہیں سوچ سکتا تھا۔

رسالت کی جملہ نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہوتی ہے کہ جس شخص کو اللہ اپنا رسول بنانے کے لیے منتخب کرتا ہے، اُسے نیکوکاری، ذہانت اور راست بازی ودیعت کرتا ہے اور وہ ہر قسم کی بُری باتوں سے بچتا ہے۔ اُس کی ذات پُوری کی پُوری اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتی ہے اور یُوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر گناہ، ہر بُرائی سے مبرا ہے۔ بُرائیاں اور گناہ اُس کی فطرت سے برعکس چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ابنِ خلدون نے سرکارِ دوعالمؐ کی پاک زندگی میں ان اوصاف کی کارفرمائی کی کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

ایک انتہائی مستند حدیث یہ ہے کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ رحمتِ عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے لیے پتھر اکٹھا کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یکبارگی لے جانے کے لیے اپنے لمبے کُرتے کے دامن میں ڈالنا شروع کیا۔ ایسا کرتے ہُوئے بے خیالی میں آپؐ کی ٹانگیں برہنہ ہو گئیں۔ جونہی حضورِ اقدس کی نظر اُس طرف گئی آپ شرم و حیا سے گر کر بے ہوش ہو گئے اور اس عمل نے آپؐ کے نچلے دھڑ کو خود بخود دوبارہ ڈھانپ دیا۔

ایک مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک شادی میں کھانے کی دعوت میں تشریف لے گئے وہاں ناچ گانے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ اس موقع پر یک لخت آپؐ پر نیند طاری ہو گئی اور آپؐ کی آنکھ سورج طلوع ہونے کے وقت ہی کھُلی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بے ہُودہ محفل میں نہ صرف حصّہ نہیں لیا بلکہ آپ کی پاک و طاہر آنکھوں نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔

سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کی نفاست اور لطافت کا یہ عالم تھا کہ قُدرتی طور پر آپؐ کو بدبُودار غذاؤں سے نفرت تھی؛ چنانچہ آپؐ لہسن اور پیاز نوش نہ فرماتے۔ کسی نے اس کی وجہ پُوچھی تو آپؐ نے فرمایا:

"مَیں ایسی ہستیوں سے ملتا جُلتا ہُوں جن سے تم نہیں ملتے۔"

Marfat.com

ابنِ خلدون نے ہماری توجہ حضورِ اکرمؐ کے منصبِ نبوت سنبھالنے سے پہلے اور بعد کے ماحول کی طرف خصوصیت سے مبذول کراتے ہوئے لکھا ہے کہ آقائے نامدار کے طور طریقے، اخلاق و آداب پرائیویٹ زندگی میں اور جبرائیل امین کے ساتھ میل ملاقات کے دوران میں انتہائی اخلاق اور پاکیزگی کے حامل ہوتے تھے؛ چنانچہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

"اس بات پر غور کریں کہ جب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے فرشتے کی آمد کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تو انہوں نے فوراً اس بات کی سچائی اور حقیقت آزمانے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا: "اب جب جبرائیل آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو اُن کے اور اپنے درمیان مجھے موجود ہونے کی اجازت دیجیے"۔ آپؐ نے اس بات کی اجازت انہیں دے دی۔ پھر جب حضرت خدیجہؓ نے یہ تجربہ کیا تو وحیٔ الٰہی کا سلسلہ فوراً منقطع ہو گیا اور انہوں نے کہا: "ضرور، یہ کوئی فرشتہ ہے۔ یہ شیطان نہیں ہے"۔ اس بات کا مفہوم یہ تھا کہ فرشتے عورت کے قریب نہیں جایا کرتے۔ حضرت خدیجہؓ نے نبیٔ کریمؐ سے یہ بھی پوچھا کہ جب فرشتہ آپ کے پاس حاضر ہوتا ہے تو اُس وقت آپ کیسے کپڑے پہننا پسند فرماتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا: "سفید اور سبز۔ یہ دونوں رنگ نیکوکاروں اور پاک فرشتوں کے ہیں جبکہ سیاہ رنگ بُرائی اور شیطنت کا مظہر ہے"۔

بنیادی صداقت

ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جن باتوں کا حوالہ ابنِ خلدون نے دیا، اس کا مقصد حضورِ اکرمؐ کی فطرت کی بنیادی سچائی کی وضاحت تھا۔ قرآنِ کریم بھی بنیادی سچائی کو اہمیت دیتا ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنی وفادار بی بی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ ساری صورتِ حال بیان کر کے فرمایا: "مجھے

Marfat.com

اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے "۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے کہا : " نہیں، نہیں، آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اللہ آپ کو لوگوں کے سامنے ہرگز شرمندہ نہیں کرے گا، کیونکہ آپ اپنے رشتے داروں اور ہم قبیلہ لوگوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں، ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں، جو مشکلات میں پھنسے ہوئے ہوں اُن کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں اور اُن لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو سچائی کی خاطر تکلیفیں جھیلتے ہیں "۔

اب ہم کچھ قرآنی آیات پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی، آپ کے طور طریقے، آپ کی دوسروں سے معاملت، غرض آپ کا ہر عمل آپ کی سچائی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ آپؐ کی زبانِ مبارک سے سچ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ آپؐ وہ بات کبھی نہیں کہتے تھے جس پر خود عمل پیرا نہ ہوتے۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ " آپؐ اخلاق کے بہت بلند درجے پر فائز ہیں"۔ خود معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے متعلق ارشاد ہے کہ " میں کردار کی اعلیٰ صفات کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا مشاہدہ لوگوں کو شروع ہی سے تھا۔ وہ آپ کی زندگی کے ہر پہلو سے آشنا تھے اور آپؐ کو اسی طرح جانتے تھے جیسے وہ اپنے بیٹوں، بھائیوں سے واقف تھے۔ قرآنِ حکیم اس بات کو اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے :

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخرالزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔ البقرۃ (۲ : ۱۴۶))۔

Marfat.com

قرآنِ مبین ہماری توجہ اس بات پر مبذول کرواتے ہوئے کہ رسولِ امین علیہ الصلوٰۃ والسّلام اُمّی یعنی پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے یہ واضح کرتا ہے کہ

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ وہی تمہیں اس سے واقف کرتا۔ میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں (اور کبھی ایک کلمہ بھی اس طرح کا نہیں کہا) بھلا تم سمجھتے نہیں۔ یونس (١٠:١٦)

ایک بات قابلِ غور ہے کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام چالیس برس کی عمر تک شہر مکہ میں اپنے قبیلے کے ساتھ رہے۔ اس عرصے میں آپؐ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جوانی کے پُرجوش ایام خاموش گزار دیے اور نہ رسالت کا دعویٰ کیا نہ رئیسِ قریش بننے یا حکمران ہونے کا۔ آپؐ نے رسالت کا دعویٰ اُسی وقت کیا جب اللہ نے اس کا حکم بھیجا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

(اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔ ایسا ہوتا تو اہلِ باطل ضرور شک کرتے۔ عنکبوت (٢٩:٤٨)

قرآنِ کریم نے منکرین کی صداقت اور خلوص کو، یا یُوں کہیے کہ اُن کی دیانت کو پرکھنے کے لیے محض ایک بات کہی جسے تسلیم کرنا اُن کے لیے دشوار نہ تھا:

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝

(کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خُدا کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر غور کرو۔ تمہارے رفیق کو مطلق سودا نہیں۔ وہ تو تم کو عذاب سخت (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔ سبا (٣٤:٤٦)

قرآنِ کریم نے کافروں اور منکروں کو خود اپنے آپ کو بھی بطور چیلنج پیش کیا ہے کہ اگر تم لوگ کسی کی تصنیف سمجھتے ہو تو زیادہ نہیں ایک سورۃ ہی اس جیسی بنا کر لاؤ۔

Marfat.com

اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں صداقت یعنی سچائی کی قدر موجود ہے۔ اسلام کی دعوت اور قرآنِ کریم کو سن کر زمانۂ رسالت کے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے اتّفاق کریں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دین لائے ہیں وہ روشنی کے اُسی سرچشمے سے نکلا ہے۔" چونکہ نجاشی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی نبوّت پر مضبوط یقین و ایمان رکھتا تھا، اس لیے جب اُس نے اپنے دربار میں پیش ہونے والے مسلمانوں سے اسلام کی کیفیت سُنی تو اُس نے محمدؐ کی نبوت کا بھی اُسی طرح اقرار کیا جس طرح حضرت عیسیٰؑ کا کیا تھا، اور آپؐ کو "صادق" تسلیم کیا جنہیں خدا نے مبعوث کیا تھا۔ نجاشی نے یہ باتیں اُس وقت کی تھیں جب مکّہ کے کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آئے مسلمانوں کو نبیٔ کریمؐ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابوطالب مہاجرین کے قائد مقرر ہُوئے تھے۔ مظلوم مسلمانوں کے حبشہ پہنچتے ہی مکّہ کے کافروں نے اپنے سفیر روانہ کیے کہ یہ لوگ ہمارے خُداؤں کے منکر ہیں۔ یہ ہمارا مذہب بگاڑ رہے ہیں انہیں ہمیں واپس دیا جائے۔

بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کے نمائندے حضرت جعفرؓ بن ابوطالب سے کہا تھا کہ وہ اپنا مؤقف بیان کریں۔ جس پر حضرت جعفرؓ طیار نے دورِ جہالت کا تذکرہ کرتے ہُوئے کہا تھا:

"اے بادشاہ ہم وحشی تھے، بُتوں کی پُوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے ہودہ حرکات کرتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلُوکی کرتے تھے۔ ہمارے زبردست، کمزوروں کو جینے کا حق نہیں دیتے تھے۔ ہماری یہ حالت مُدّت سے تھی کہ اللہ نے ہمارے پاس اپنا رسول بھیجا۔ جس کے حسب نسب، صداقت، امانت اور رحم دلی سے ہم سب واقف ہیں۔ اُس نے ہمیں بُلا کر اکٹھا کیا اور کہا کہ اللہ کو ایک مانو، پتھر کے بُتوں کو چھوڑ دو جنہیں تمہارے باپ دادا پُوجا کرتے تھے۔ صرف اللہ لاشریک کی بندگی اور عبادت کرو۔ اس نے سچ بولنے، ایفائے عہد، قرابت داروں سے حسنِ سلوک، صلۂ رحمی، ہمسایوں کے حقوق کی پاسداری اور گناہوں اور خُون خرابے سے بچنے کا

Marfat.com

حکم دیا۔ آپؐ نے ہمیں بُرے کاموں، جھوٹ، یتیموں کا مال کھانے اور نیک اور باعصمت عورتوں پر تہمت زنی سے منع فرمایا۔ ہمیں صرف اللہ واحد کی عبادت کرنے اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنانے کا حکم دیا۔ اُس نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کی تعلیم دی۔ (حضرت جعفر نے نجاشی کو اسلام کی تعلیمات بتائیں) ہم نے بھرپور یقین کیا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ ہم اس پر ایمان لے آئے اور جو کچھ اللہ نے اُس پر نازل کیا اُسے مانا۔ ہم صرف اللہ واحد کی عبادت کرتے ہیں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ جن چیزوں کو اُس نے حرام کہا، ہم نے اُنہیں حرام سمجھا اور جن چیزوں کو حلال کہا اُنہیں حلال مانا"۔

جب بادشاہ نجاشی نے جعفرؓ بن ابو طالب کی زبان سے یہ تقریر سُنی تو وہ تاریخی جملے کہے جنہیں ہم نقل کر آئے ہیں۔

امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ہرقل نے جب ابوسفیان سے اسلام کی دعوت کے بارے میں سوال کیا تو اُس نے کہا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتوں کی پوجا سے منع کیا ہے اور پاکبازی، سچائی اور نماز اور صلۂ رحمی کا حکم دیا ہے"۔

ہرقل نے کہا: "تم نے جو بیان کیا ہے کہ اگر وہ درست ہے تو یقیناً ایک دن وہ شخص میرے پیروں کے نیچے کی زمین کا بھی مالک ہو جائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا۔ اگر میں اُس تک جا سکتا تو اُس سے خود ملتا اور اگر اُس سے ملتا تو اُس کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دھوتا"۔

جس طرح ہرقل اور نجاشی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے اسلام کے اخلاص اور سچائی کو خود دعوے کی روشنی میں پرکھا۔ وہی طریقہ استدلال امام غزالیؒ نے

Marfat.com

برتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اگر قرآن اور احادیثِ نبویؐ کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیں تو آپ اس کے سوا کسی دوسرے نتیجے پر نہیں پہنچیں گے کہ رحمتِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے انتہائی بلند درجوں پر فائز ہیں۔ آپ اس بات کی تصدیق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات کے بارے میں احکام سے کر سکتے ہیں جن سے صفائیِ باطن حاصل ہوتی ہے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضورؐ نے کس قدر صحیح فرمایا تھا کہ "جس شخص کا عمل اُس کے علم کے مطابق ہوگا اللہ اُسے اُن علوم کا وارث بنائے جن سے وہ واقف نہیں"۔ ایک دوسرا ارشادِ گرامی ہے: "جو کسی بے انصاف شخص کی حمایت کرے گا اللہ اُس بے انصاف کو اُس پر غالب اور حکمران بنا دے گا"۔

ایک قولِ مبارک یُوں ہے: "اگر کوئی شخص اپنے دن کا آغاز صرف پرہیز گاری کا خیال دل میں لا کر کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کے تمام اندیشوں کو دُور فرما دے گا"۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان اقوال کو آپ ایک ہزار یا دو تین ہزار آدمیوں پر آزمائیں تو سبھی اُن کی سچائی کی تصدیق کریں گے جس کے بعد آپ کو امام الدنیا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کوئی شک و شُبہ باقی نہیں رہ جائے گا۔

امام غزالیؒ کی رائے میں اسلام کے اصول و عقائد پر غور کرنے ہی سے آقائے کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔

حضور اکرمؐ کی صداقت کے سلسلے میں ابنِ خلدون کا، جنہوں نے سماجی علوم پر بہت کچھ لکھا ہے، طریقۂ استدلال بھی یہی ہے۔ اُنہوں نے رسالت کے بارے میں کئی عمدہ ثبوت مہیا کیے ہیں۔ ہم یہاں صرف وہ افکار نقل کرتے ہیں جو اُنہوں نے کسی رسول کی صداقت کا جائزہ لینے کے لیے پیش کیے ہیں، بالخصوص جب معاملہ اسلام جیسے دین کا ہو۔ وہ کہتے ہیں:

"رسولوں کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ جب وہ لوگوں کو دعوتِ دین دیتے ہیں تو

Marfat.com

نماز، زکوٰۃ اور ضبطِ نفس کے ذریعے اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کے اسی کردار کو ان کی رسالت کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل سمجھا۔ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کردار میں کسی اور نشانی کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ ایک حدیث مستند میں آیا ہے کہ جب ہرقل شاہ روم کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خط موصول ہوا جس میں آپؐ نے اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی تو اس نے اپنے ملک میں اس وقت موجود قبیلہ قریش کے افراد کو طلب کیا۔ ان میں ابوسفیانؓ بھی تھے۔ اُس نے اُن سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا احوال کچھ سوالوں کے ذریعے پوچھا۔ اس کا ایک سوال یہ تھا کہ تمہارے رسول نے تمہیں کیا حکم دیے ہیں؟ تو ابوسفیانؓ نے جواب میں کہا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی اور ضبطِ نفس کی تعلیم دی ہے۔ ان کے جواب پر ہرقل کا تبصرہ یہ تھا: "اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو بلاشبہہ وہ رسول ہیں اور ایک دن وہ اس زمین کے بھی مالک بن جائیں گے جس پر میں کھڑا ہوں"۔ (اس ضمن میں یاد رکھیے کہ ضبطِ نفس یا عفاف کے معنی اس حوالے کی ذیل میں "گناہ و خطا سے کامل مبرا ہونے یا عصمت کے ہیں)۔

اس بات پر خاص توجہ ضروری ہے کہ ہرقل شاہ روم نے صرف "عصمت" دین کی طرف دعوت اور خدائے واحد کی عبادت ہی کو رسالت کی صداقت کے ثبوت کے طور پر کافی سمجھا تھا اور کسی معجزے کا مطالبہ نہ کیا تھا۔

اگر ہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کے کردار پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اللہ کے پیشِ نظر ان کو دُنیا میں بھیجنے کا جو مقصد تھا وہ ان کی سیرت و کردار سے بدرجۂ کمال پورا ہوا۔ اس مقصد کا ذکر اللہ نے قرآن میں یوں بیان کیا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۝

(اور (اے محمد) ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ انبیاء (۲۱)،۱۰۷)

اسلام کی تمام تعلیمات میں مرکزی حیثیت "رحمت" کو حاصل ہے۔ خواہ اجتماعی

Marfat.com

امن و عافیت ہو یا انفرادی اور خواہ اس کا تعلّق زندگی کے فکری، اخلاقی یا قانونی معاملات سے ہو۔ اسلام میں رحمت کی کارفرمائی زندگی کے ہر میدان میں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر اجتماعی سطح پر اس کا اظہار عدل اور اخوت کی صورت میں ہوتا ہے۔ درحقیقت اسلام نے معاشرتی زندگی کو ایسے مضبوط رشتوں میں باندھا ہے کہ وہ ایک مستحکم عمارت معلوم ہوتی ہے۔ سرکارِ دو عالمؐ کی حدیث ہے:

"کسی مومن کا دُوسرے مومن سے وہی رشتہ ہے جو کسی عمارت کے ایک حصّے کا دوسرے سے، جس سے وہ مضبوط ہوتا ہے"۔

ملّت کسی زندہ جسم کی طرح ہے۔ اگر جسم کا ایک عضو تندرست یا بیمار ہو تو پورا جسم تندرست یا بیمار ہو گا۔

سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"مومن ایک دوسرے کے ساتھ اپنی دوستی اور محبت اور ہمدردی میں ایک جسمِ واحد کی طرح ہیں۔ اگر جسم کے ایک عضو کو کوئی تکلیف ہو تو دوسرے تمام اعضا درد، بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔

یہ باہمی ربط و تعاون اُس مروج عدل کا نتیجہ ہے جس سے بے لگام افراد کے جذبات پر قابو پایا جاتا ہے، ہوس اور لالچ حد سے باہر نہیں ہوتی اور انتہا پسند معتدل مزاج بن جاتے ہیں۔ عدل کے ساتھ ساتھ اخوت بھی وہ اہم صفت ہے جو اس باہمی تعاون کے حصول میں مددگار ہے۔ اپنے اجتماعی، مشترک مقاصد اور تمناؤں کے ذریعہ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے ہیں جیسا کہ قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

(مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ الحجرات (۴۹): ۱۰)

رحمت جب انفرادی سطح پر جلوہ گر ہوتی ہے تو انسان بھرپور خلوص سے خود کو اللہ کے لیے وقف کر دیتا ہے:

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

Marfat.com

(دیکھو! خالص عبادت خدا ہی کے لیے ہے۔ الزمر (۳۹):۳)

دین میں اخلاص کا مطلب یہ ہی ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کی جائے۔ جن لوگوں کے دل دین سے مخلص ہوں گے وہ اپنی بہ نسبت دوسروں کا خیال زیادہ کریں گے، دوسروں کے لیے ایثار کریں گے، حتیٰ کہ دوسروں کی خاطر اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ وہ ہمیشہ اچھی صفات اپنانے اور بُرائیاں ترک کرنے کے لیے تیار رہیں گے۔ جو شخص اپنے اندر یہ خوبصورت اور دلپذیر صفات پیدا کرلے گا وہ جہاں بھی جائے گا جس مقام پر رہے گا وہاں کے لوگوں کے لیے باعثِ رحمت ثابت ہوگا۔ مزید یہ کہ ایسا شخص اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی بدولت اپنے مالکِ حقیقی کی حفظ وامان میں رہے گا، اُسے کامل طور پر یہ اطمینان حاصل ہوگا کہ اللہ اس کی اور اس کے خاندان کی نگہداری کررہا ہے اور وہ ہر طرح محفوظ ہے۔ جب مومن کو یہ مقام حاصل ہوجائے وہ اللہ کے کرم اور رحمت کے سائے میں آجاتا ہے اور اللہ ہر قدم پر اُس کی رہنمائی کرتا ہے۔ حضورِ اکرمؐ کے اخلاق وعادات کے متعلق آپ کی زوجۂ طاہرہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا خُوب بات کہی ہے، "حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اخلاق، قرآن ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ریشے ریشے میں سرایت کرگیا تھا۔ وہ اُن کے لہو کی گردش میں رواں تھا۔ اسی کی روشنی سے اُن کی روح اور جسم منوّر تھا۔ دعوتِ حق یعنی اسلام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اس طرح ڈوب گئے تھے کہ خود اسلام ان کے رنگ میں رنگ گیا تھا۔ اسلام وحی کے ذریعے منکشف ہونے والی رحمت تھا تو آپؐ کی ذات بنی نوع انسان کے لیے آیۂ رحمت تھی۔

اقرارِ ایمان کے جزوِ اوّل یعنی اللہ کی وحدانیت کے اعلان پر سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پُوری طرح عمل فرمایا۔ اسی بات کو مصر کے ایک نامور عالم شیخ الدّجوی مرحوم نے بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے جس سے پیغمبر توحید سے اللہ کی وحدانیت کے اعلان کے بعض پہلو نمایاں ہوتے ہیں:

Marfat.com

"جو کوئی حضور رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے احوال پر غور کرے گا، اُس پر یہ پُوری طرح منکشف ہو جائے گا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے بحرِ وحدانیت میں سرتاپا غرق تھے۔ آپؐ کے رُوئیں رُوئیں میں خوفِ الٰہی سمایا ہُوا تھا اور آپؐ ہر لحظہ اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ یہ کیفیّت جذبات کے اسیر یا جہل کی تاریکی میں غرق کسی شخص کو میسّر آ ہی نہیں سکتی۔

اگر آپ عملی زندگی میں ان کے احوال پر غور کریں تو آپؐ ہر بات میں اللہ سے رجوع کرتے نظر آئیں گے۔ اگر کوئی خوش کُن واقعہ ہو جاتا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے: "الحمد اللہ یہ کام اللہ کی مدد سے انجام پایا۔" اگر کوئی رنج دینے والی بات ہو جاتی تو آپؐ کی زبانِ مُبارک پر یہ کلمہ ہوتا کہ: "شکر کرتا ہُوں اللہ کا ہر حال میں"۔ اگر آپ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتے تو فرماتے: "اِن شاء اللہ یعنی اگر اللہ نے چاہا تو"۔ اگر سرکارِ دوجہاں کسی جنگ میں شریک ہوتے تو فرماتے: "اے اللہ! تیرے لیے مَیں پیش قدمی کرتا اور حملہ کرتا ہُوں"۔

حضورِ اکرمؐ جب سونے کے لیے لیٹتے تو فرماتے: "اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا۔ اللہ! تیرے ہی نام کے ساتھ مَیں مروں گا اور تیرے ہی نام پر مَیں زندہ رہوں گا"۔

اور جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سو کر اُٹھتے تو کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔

(شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں زندہ کیا بعد مار دینے کے اور اُسی کی طرف اُٹھنا ہے)

اور جب سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کوئی نیا کپڑا پہنتے تو کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ

(حمد و شکر اس اللہ کے لیے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے مَیں اپنی پردہ داری کرتا ہُوں اور زندگی میں وہ میرے لیے سامانِ زینت بنتا ہے)

اور جب آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کھانا نوش فرماتے تو فرماتے:

Marfat.com

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین

(حمد و شکر اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور ہمیں مسلمان بنایا)

اور جب نبیٔ رحمت صلّی اللہ علیہ وسلّم پانی پیتے تو کہتے:

"حمد و شکر اللہ کے لیے جس نے اپنے رحم و کرم سے پانی میں مٹھاس اور تازگی پیدا کی اور ہمارے گناہوں کے سبب اسے کڑوا نہیں بنا دیا"

اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزہ افطار کرتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اللھم انی لک صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت۔

(اے اللہ! میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیے ہوئے رزق سے افطار کیا)

اور جب سوتے میں آپ کروٹ لیتے تو یہ پڑھتے:

استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی والقیوم واتوب الیہ

(میں مغفرت اور بخشش چاہتا ہوں اُس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور سب کا کارساز ہے اور اسی کے حضور توبہ کرتا ہوں)

سرکارِ دو عالمؐ کو جب اپنے دشمنوں سے خطرات لاحق ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اللھم انا نجعلک فی نحو رھم ونعوذبک من شرورھم

(اے اللہ! ہم دشمنوں کی گردن تیرے حوالے کرتے ہیں اور اُن کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں)

حضورؐ جب رات کے وقت اُٹھتے تو فرماتے:

رب اغفر وارحم واھدنی الی الصراط المستقیم۔

(اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور سیدھے راستے کی طرف میری رہنمائی کر)

جب حضور اکرمؐ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ پڑھتے تھے:

بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللھم انی اعوذبک ان اضل او اُضل او ازل او اُزل او اظلم او اُظلم او اجھل او یجھل علی

(اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر توکل کیا۔ کوئی قوت و تدبیر اللہ کی مدد کے بغیر کارگر نہیں ہو سکتی

Marfat.com

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں بھٹک جاؤں یا کوئی دوسرا مجھے بھٹکا دے۔ یا میں خود لغزش کھا جاؤں یا کوئی دوسرا مجھے ڈگمگا دے اور اس سے کہ میں خود ظلم کروں یا کوئی دوسرا مجھ پر ظلم کرے اور اس سے کہ میں خود نادانی کی بات کروں یا کوئی دوسرا مجھے جہالت میں مبتلا کرے)۔

اور جب حضورؐ نیا چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے :

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ ۔

(اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! یہ چاند ہم پر امن و ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ نکال۔ اے چاند تیرا اور میرا پروردگار اللہ ہے۔ یہ چاند ہدایت اور خیر کا چاند ہو)

اور جب آپ قسم کھاتے تو یہ الفاظ زبانِ مبارک سے ادا ہوتے :

اُقسم باللّٰہ الذی بیدہٖ نفسِ مُحمّد

(میں اس کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے)۔

اور جب آندھی چلتی یا طوفان آتے تو آپ فرماتے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ

(اے اللہ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ آندھی باعثِ خیر ہو اور تجھ سے مانگتا ہوں وہ خیر جو اس کے اندر ہے اور جس مقصد کے لیے یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھی خیر اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس آندھی کے شر سے اور اس شر سے جو اس کے اندر ہے اور جس غرض کے لیے بھیجی گئی ہے)۔

پس آپ دیکھیں گے کہ اللہ کے محبوب رسولِ کریمؐ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ ہی کی طرف دیکھتے اور اسی کی مدد طلب فرمایا کرتے تھے۔ ان کا یقین محکم تھا کہ اللہ کے سوا کوئی قوت اور قدرت کا مالک نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی کوئی پریشانی حضورؐ

Marfat.com

کو لاحق ہوتی تو آپ کی زبان پر یہ دعائیں جاری ہو جاتیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔

(کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو بڑی عظمت والا، بردبار ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور مالک ہے عرشِ کریم کا)۔

اللہ کی وحدانیت کا اقرار بے خوفی اور جرأت پیدا کرتا ہے

اللہ کے ایک ہونے کا اقرار، اخلاقی قوت کی اہم اور اوّلین بنیاد ہے اور بہت بلکہ تمام اعمالِ حسنہ کا محرک ہے۔ پاکیزہ اخلاق کو راسخ کرنے اور انہیں دوام بخشنے کے لیے اللہ نے وہ اسباب بھی بیان فرمائے جو کسی انسان کو سچ بات ظاہر کرنے اور غلط بات کو اعلانیہ غلط کہنے کی ہمت سلب کر لیتے ہیں۔ بزدلی کے دو بنیادی سبب ہو سکتے ہیں: پہلا اپنی روزی کے بارے میں فکر یا غربت و افلاس کا خوف، مگر اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بات واضح کر دی کہ ہر مخلوق کا رزق مقرر ہے اور اس کو وہی ملتا ہے جو اس کے لیے پہلے سے مقدور ہے۔ اسے وہی ملے گا جو اس کی قسمت میں ہے اور کسی دوسرے کا رزق اسے مل نہیں سکتا؛ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝

(تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم! یہ (اسی طرح قابلِ یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔ الذاریات (۵۱) ۲۳-۲۴)

اور اسی حقیقت کی مزید وضاحت اس آیۂ مبارکہ میں کی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ

(اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمے ہے وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا

Marfat.com

ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اُسے بھی۔ یہ سب کچھ کتابِ روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔ ھُود (۱۱: ۶)

لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ انسان تقدیر پر شاکر ہو کر بیٹھ جائے۔ اسلام ہر شخص کو سعی و عمل کی تلقین کرتا ہے کہ روزی کمانے کے لیے قدرتی ذرائع کو کام میں لائے اور یہ کہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش نہیں ہوتی کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر مالی امداد مانگنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ انسان رسّی اور کلہاڑی لے کر کسی پہاڑ یا جنگل میں جائے اور لکڑیاں کاٹ کر انہیں بازار میں فروخت کر کے اپنا گزارا چلائے اور اگر توفیق ہو تو اس میں سے کچھ خیرات بھی کر دے۔

رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا ہے: "دینے والا ہاتھ مانگنے والے ہاتھ سے برتر ہے۔"

تاہم ہر شخص کو اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ انسان کی کفالت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور کوئی ظالم یا مقتدر انسان بھی اللہ کے مقرر کردہ رزق کا راستہ نہیں روک سکتا۔ اللہ قوی تر اور قادرِ مطلق ہے۔

دوسرا بڑا سبب جو لوگوں کو اخلاقی طور پر کمزور اور بزدل بناتا ہے، موت کا خوف ہے مگر یہ خوف بے بنیاد اور فضول ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات مخلوق کی عمر مقرر کر رکھی ہے۔ موت اُسی گھڑی آتی ہے جو اللہ نے لکھ رکھی ہے۔ لوگ موت کے ڈر سے مضبوط ترین قلعوں میں بھی جا بیٹھیں تو جن کے مقدر میں مرنا لکھا ہے وہ اُسی مقام پر پہنچ جائیں گے جہاں اُن کی موت حکمِ الٰہی سے واقع ہونے والی ہے۔ اس بات کو انتہائی کھلے لفظوں میں اللہ یوں بیان فرماتا ہے:

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔

(جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں نہ جلدی۔ الاعراف (۷: ۳۴)

زندگی اور رزق، کاملاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس حقیقت کے خلاف رُوح کی کوئی آواز یا رائے، حتیٰ کہ سرگوشی بھی اللہ کی وحدانیت کے خلاف سمجھی جائے گی۔ اللہ کی یکتائی پر سچے عقیدے کی پہچان یہی ہے کہ انسان موت سے بے خوف ہو جائے۔

Marfat.com

اور پوری طرح یہ سمجھ لے کہ موت پر کسی کا بس نہیں چل سکتا۔ نہ کوئی کسی کو مار سکتا ہے، نہ جلا سکتا ہے۔

اگر آپ کو قرآنی تعلیمات کے مطابق اخلاقی جُرأت اور دلیری کی تصویر دیکھنا ہو تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے سامنے ایک مسلمان کا وہ دلیرانہ اعلان سُنیے جس نے کہا تھا:

"جہاں کمزوروں کی زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں وہاں میری زبان اللہ کے عطا کردہ حق کے استعمال میں آزادانہ چلے گی۔ سُنو! تمہارے گرد کچھ لوگ ایسے جمع ہو گئے ہیں جنہوں نے تمہاری اس دُنیا کے عوض اپنا دین بیچنے کی حماقت کی ہے۔ انہوں نے تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے ربّ کا قہر و غضب مُول لیا۔ وہ اللہ سے ڈرنے کی بجائے تم سے ڈرتے رہے اور بجائے اس کے کہ تمہارے ساتھ معاملت میں وہ اللہ سے ڈرتے، اُنہوں نے اس فانی دنیا سے مصالحت اور اپنی عاقبت سے جنگ شروع کر دی ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ اللہ نے جو تمہیں سونپا ہے وہ اُن کے حوالے نہ کرو، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور اپنے ظلم سے پُوری قوم کو ذلیل اور رُسوا کیا۔ یاد رکھو! اُنہوں نے تمہارے نام پر جو کچھ کیا ہے اس کے لیے تم اللہ کے آگے جواب دہ ہو گے اور تم نے جو کچھ کیا اس کے لیے وہ جواب دہ نہیں ہوں گے۔ اس لیے ان کی دنیا کو بہتر بنا کر اپنی عاقبت خراب نہ کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ نقصان میں اور کوئی نہیں ہو سکتا جو اپنی عاقبت کو چند آدمیوں کی دُنیاوی زندگی بہتر بنانے کے لیے خراب کر دے۔"

یاد رکھیے! اس انداز کی جُرأت اور بے باکی مسلمانوں میں کبھی پیدا نہ ہو سکتی اگر اللہ کی وحدانیت، اس کے واحد اور احد ہونے کا پُرجوش جذبہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ

علیہ وسلّم کے رگ و پے میں موجزن نہ ہوتا۔ توحیدِ الٰہی کی یہ لہریں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اُمّت کے افراد میں منتقل ہوتی رہیں۔ حق یعنی سچّائی کے لیے اخلاقی جرأت اور حوصلے کے متعلّق سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا:

"سچّائی کو تسلیم کر لینا ہی اخلاقی دلیری نہیں، حق کا اعلان کرنا یعنی سچّائی کا برملا اظہار کرنا ہی جرأتِ ایمانی ہے"۔

مُعاشرے میں رسُول کا کردار

آیۂ مبارکہ ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

(اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے۔ البقرۃ (۲) ۱۲۹)

اب ہم اُمّتِ مسلمہ کے اُن نقوش کو نمایاں کر سکتے ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ نے کھینچے تھے۔

وہ تصویر، وہ خاکہ کیا ہے؟

وہ نقش یہ تھا کہ نبیٔ کریمؐ کی تعلیمات اُمّت کی عملی زندگی میں جاری و ساری ہوں یا یُوں کہیے کہ وہ مقاصد کیا ہیں جن کے لیے حضورؐ سرورِ کائنات نے دورِ رسالت میں خود کو وقف کیے رکھا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے یہ مقاصد اپنی بہت سی آیات میں بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً ارشادِ ربّی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں اُنہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اُن کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ آلِ عمران (۳) ۱۶۴)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ

Marfat.com

(یہ) ایک (پُرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ (یعنی) اُن کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابلِ تعریف (خدا) کے رستے کی طرف۔ ابراھیم (۱۴) ۱:

اگر ہم اُمتِ مسلمہ کی وہ مثالی تصویر بنائیں جو اللہ اور اُس کے رسولِ برحق کی تعلیمات کے مطابق ہو تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ ایک ایسی زندہ و متحرک ملت ہے جو خدا کے قوانین کے تحت پاک صاف اور تقوٰی کی حامل تھی۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر کوششیں یہی تھیں کہ اس ملت کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا جائے، جہالت کی بجائے علم دیا جائے اور گمراہی سے ہٹا کر ہدایت کی طرف موڑا جائے لیکن رسول کا منصب یہ تھا:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

(اُن کے سامنے اُن کی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں **الجمعہ** (۶۲): ۲)

اس بات کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے ہم وحیٔ الٰہی کی پہلی آیۂ مبارکہ کی طرف آتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کا اساسی آئین بیان فرمایا تھا۔ قرآن حکیم کا پہلا لفظ جو ہادیٔ برحق پر وحی کیا گیا "اقراء" تھا یعنی پڑھو۔ جو چند آیتیں اس مقدس رات میں نازل ہوئیں، یہ تھیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۝

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم) کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اُس کو علم نہ تھا۔ **العلق** (۹۶): ۵-۱)

ان مبارک آیتوں میں "اقراء" یعنی "پڑھو" کا لفظ دو بار استعمال ہوا ہے اور اس میں علم حاصل کرنے کے تین مختلف طریقوں سے تلقین کی گئی، قلم کا بیان ہوا جو علم حاصل

Marfat.com

کرنے کا ایک آلہ ہے۔

مشہور مصری عالمِ دین مرحوم محمد عبدہٗ ان پہلی آیاتِ ربّانی کی تفسیر بیان کرتے ہُوئے لکھتے ہیں: "پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے کے فوائد کی تلقین اس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہوسکتی جیسی قرآنِ مبین کی ان پہلی آیات میں ہے"۔

ان آیات کے بعد جو آیتیں نازل ہُوئیں ان میں ایک آیت یہ ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۝

(نٓ قلم کی اور جو (اہلِ قلم) لکھتے ہیں اُس کی قسم۔ القلم (۶۸) : ۱)

حروفِ تہجی کے حرف 'ن' سے ابتداء کرتے ہُوئے اللہ تبارک وتعالیٰ قلم اور لکھنے کے عمل کی قسم کھاتا ہے، اس قلم کی جس نے قرآن جیسی عظیم کتاب لکھی۔

مشہور عالم علامہ راغب الاصفہانی مرحوم ان آیات کے متعلق لکھتے ہیں:

"کچھ عالموں کا کہنا ہے کہ اس کتابِ عظیم کو اللہ کی جملہ کتابوں میں قرآن اس لیے نہیں کہا گیا کہ اس میں ان تمام کتابوں کا نچوڑ ہے بلکہ اس کا نام "قرآن" اس بناء پر ہے کہ اس میں تمام علوم سمٹ آئے ہیں جیسا کہ اس کے متعلق اللہ نے اپنی ان آیات میں تشریح فرمائی ہے:

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ

(اور ہر چیز کی تفصیل (کرنے والا) ہے۔ یُوسف (۱۲) :۱۱۱)

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

(اور اُنہی کتابوں کی (اس میں) تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ یُونس (۱۰) :۳۷)

"قرآن کا نام" اس کی پہلی نازل شدہ آیات اور اللہ کی پہلی قسم ہی سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علم کا حصول اور اس کی اشاعت وترویج کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

(خدا سے تو اُس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں۔ فاطر (۳۵) ۲۸)

Marfat.com

اللہ سے ڈرنا، حاصلِ علم ہے اور اپنے آپ کو اللہ کے سُپرد کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لیے اسلام میں تحصیلِ علم پر زور دیا گیا ہے۔ یہ ضرورت ہے، ذہنی عیاشی نہیں۔ چونکہ علم ہی دین کی بنیاد ہے، اسی لیے اسلامی کردار کے لیے اساسی ہے۔ سوچیے کوئی لاعلم، جاہل شخص کسی اصول، کسی ضابطے کو مضبوطی سے کیسے پکڑ سکتا ہے جبکہ اسے کسی بات کا امتیاز ہی نہ ہو۔ اُسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ نیکی کیا ہے، بدی کیا ہے۔ انسان کو سب سے پہلے اللہ کی ذات وصفات کا علم حاصل کرنا چاہیے پھر کائنات، انسان، رُوح وغیرہ یعنی علم کے ہر پہلو سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے۔ امام بخاریؒ نے "صحیح البخاری" میں ایک باب 'علم' کے لیے مخصوص کر دیا ہے اور اس باب کو مختلف حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصّے میں "علم ماقبل تقریر وعمل" کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ جان لو کہ کوئی اللہ یعنی رب نہیں ہے سوائے اللہ کے، اس لیے ہم اس حصّے کا آغاز ہی علم سے کرتے ہیں۔ علم والے ہی پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں۔ وہ پیغمبروں کے علم کے وارث ہوتے ہیں۔ جس نے اس علم کو حاصل کر لیا سمجھیے اُسے ایک خزانہ مل گیا۔ اللہ اُس پر بہشت کا راستہ کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعٰلِمُونَ ۝

(اور اسے تو اہلِ دانش ہی سمجھتے ہیں۔ العنکبوت (۲۹):۴۳)

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

(اور کہیں گے اگر ہم سُنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ الملک (۶۷):۱۰)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

(بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ الزمر (۳۹):۹)

رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ رحمان ورحیم جب کسی کی بھلائی چاہتا ہے تو اُسے دین کا علم اور آگہی عطا فرما دیتا ہے۔ یہ آگہی علم سیکھنے

Marfat.com

سے حاصل ہوتی ہے۔" اسی بات کے متعلق رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ و السّلام کے صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی میرے گلے پر تلوار رکھ دے اور اس حالت میں میرے ذہن میں یہ بات ہو کہ قتل ہونے سے پہلے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کس سُنّت پر عمل کروں تو واللہ! میں حصولِ علم کی سُنّت پر عمل کرنے کو ترجیح دُوں گا۔" اسی سلسلے میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ: "اللہ کے رنگ میں رنگ جانے" کا مفہوم یہ ہے کہ حلیم و علیم بنو۔"

ابنِ مسعود حضورِ اکرمؐ کی ایک حدیث یُوں بیان فرماتے ہیں:

"حضور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ و السّلام نے فرمایا کہ انسان کو دوسروں کی صرف دو نعمتوں پر رشک کرنا چاہیے۔ ایک وہ دولت جو اللہ نے کسی انسان کو دے رکھی ہے اور وہ اُسے اللہ کے کاموں میں صرف کرتا ہے، دوسرے وہ دانش جو اللہ نے اُسے دی اور وہ اسے اپنے عمل میں لاتا ہے (یعنی اس کے مطابق عمل کرتا ہے) اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔"

اللہ احد و صمد نے مختلف طریقوں سے اپنی توحید پر کامل یقین حاصل کرنے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے جن میں سے بعض طریقوں تک صرف اہلِ علم ہی رسائی حاصل کر سکتے ہیں؛ چنانچہ ارشادِ ربِ جلیل ہے:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۞ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۞ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞

(کہہ دو کہ سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے اور اُس کے بندوں پر سلام ہے جن کو اُس نے منتخب

Marfat.com

فرمایا۔ بھلا خدا بہتر ہے یا وہ جن کو یہ (اُس کا) شریک بناتے ہیں۔ بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (کس نے) تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا (ہم نے) پھر ہم نے اس سے سرسبز باغ اُگائے۔ تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم اُن کے درختوں کو اگاتے تو کیا خُدا کے ساتھ کوئی بھی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے بیچ نہریں بنائیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور (کس نے) دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنائی۔ (یہ سب کچھ خدا نے بنایا) تو کیا خُدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں اکثر دانش نہیں رکھتے۔ بھلا کون بیقرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اُس سے دُعا کرتا ہے اور کون (اُس کی) تکلیف کو دُور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے (یہ سب کچھ خدا کرتا ہے) تو کیا خُدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔ بھلا کون تم کو جنگل اور دریا کے اندھیروں میں رستہ بتاتا اور (کون) ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے (یہ سب کچھ خدا کرتا ہے) تو خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں، خدا (کی شان) اس سے بلند ہے۔ بھلا کون خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا، پھر اُس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے اور (کون) تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے (یہ سب کچھ خدا کرتا ہے) تو کیا خُدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) کہہ دو کہ (مشرکو) اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ النمل۔ (۲۷):۵۹-۶۴)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس بات کو بھی واضح کر دیتا ہے کہ انسان کا علم خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو جائے وہ اس کے کارخانۂ قدرت کی بے شمار باتوں کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتا جن کا علم صرف اور صرف اللہ ہی کو ہے۔ اس بات سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ علم کی کوئی حد نہیں اس لیے نامعلوم علم کی تلاش رہتی دنیا تک جاری رہنا چاہیے اور ہر انسان کو زندگی بھر علم کی جستجو میں رہنا چاہیے۔ اللہ جل و اعلیٰ اس نکتے کی وضاحت یوں فرماتا ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

(کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے) اُٹھائے جائیں۔ النمل (۲۷):۶۵)

Marfat.com

اقرارِ توحید کی وجہ سے، اور اس خیال سے کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق روحانی کمال حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام لوگوں پر زور دیتا ہے کہ وہ علم حاصل کریں۔ حصولِ علم، دین کا ایک بنیادی اصول بھی ہے۔ اسلام حصولِ علم کی ترغیب متعدد طریقوں سے دیتا ہے۔ قرآنِ مجید کی بے شمار آیات اور احادیثِ رسولؐ اس پر شاہد ہیں کہ:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ

(خدا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں) ۔ آلِ عمران (۳):۱۸)

تو اُن کے مراتب بلند ہوتے ہیں:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

(جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا اُن کے درجے بلند کرے گا ۔ المجادلہ (۵۸):۱۱)

علم اور علماء کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تبارک تعالیٰ نے رسولِ امینؐ سے (جو مسلمانوں کے سردار اور مُقتدا ہیں) کہا تھا کہ وہ یہ کہا کریں:

رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝

(میرے پروردگار! مجھے اور زیادہ علم دے ۔ طٰهٰ (۲۰):۱۱۴)

ہر مسلمان کی یہ دعا ہونا چاہیے کہ "اے ربِّ کریم! ہر دن، ہر لمحہ میرے علم میں اضافہ فرما!" اللہ کا تقویٰ کسی مسلمان کے دل میں جتنا زیادہ ہوگا، اتنا ہی اللہ کے لیے اُس کا اخلاص پیدا ہوگا جس میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔

اب ہم ایک مرتبہ پھر اُسی لفظ "اقراء" یعنی "پڑھو" پر زور دیتے ہیں جسے ہر مسلمان کو حرزِ جاں بنا لینا چاہیے کیونکہ حضورِ اکرمؐ پر نازل ہونے والے اسی لفظ نے علم و آگہی کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔

کسی رسول کا دوسرا بڑا منصب معاشرے میں پاکیزگی اور تقویٰ کا وہ معیار

Marfat.com

پیدا کرنا ہوتا ہے جس سے خدا اور اُس کے رسول راضی ہوں۔

اخلاص منبعِ تزکیہ ہے یعنی خدائے واحد کی عبادت اور اعمالِ حسنہ میں انسان مخلص ہو۔ حضور معلّمِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشادِ گرامی ہے:

"اعمال کی جانچ نیتوں سے ہوتی ہے۔ انسان کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہوتی ہے پس جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہجرت کی (یعنی اپنا وطن چھوڑا) اُن کی ہجرت اللہ اور اُس کے رسولؐ کے لیے شمار کی جائے گی اور جن لوگوں نے دُنیاوی فائدوں یا کسی عورت سے شادی کی خاطر ہجرت کی، اُن کی ہجرت ان چیزوں کے لیے شمار کی جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ فَٱعْبُدِ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝ أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلْخَالِصُ

(اے پیغمبر) ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو خُدا کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے۔ دیکھو! خالص عبادت خدا ہی کے لیے ہے۔ الزمر (۳۹:۲)

قُلْ إِنِّىٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝

(کہہ دو کہ مجھ سے ارشاد ہُوا ہے کہ خُدا کی عبادت کو خالص کر کے اُس کی بندگی کروں۔ الزمر (۳۹):۱۱)

ہمیں چاہیے کہ جب اللہ کی عبادت کریں تو یکسُو ہو کر کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن عبادات یا مناسک کو قبول نہیں کرے گا جو خالصتاً اُس کے لیے نہ ہوں۔ جب کوئی مسلم خُدا کے سامنے عبادت کے لیے کھڑا ہو یا کسی دینی عمل میں مصروف ہو تو اُس کے ذہن میں صرف یہ خیال ہونا چاہیے کہ:

إِنِّى وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِى فَطَرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ۝

(میں نے سب سے یکسُو ہو کر اپنے تئیں اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں مُشرکوں میں سے نہیں ہُوں۔ الانعام (۶): ۷۹)

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اُس کے رسولؐ کو اپنا

Marfat.com

رہبر تسلیم کرکے اُن کی مثال سامنے رکھے اور اُنہی کے طریقے کی پیروی کرے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝

(تم کو پیغمبرِ خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اُس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔ الاحزاب (۳۳): ۲۱)

درحقیقت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ایک ایسا مینارۂ نور ہے جس سے بندے کا اللہ کی طرف سفر کا راستہ روشن ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آپؐ کی زبان سے کہلوایا گیا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

(یہ بھی کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہُوں۔ الانعام۔ (۶): ۱۶۲)

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اس حالت میں دُنیا سے رخصت ہو کہ اُس نے خدا کو ایک جانا، نماز پڑھی اور زکوٰۃ ادا کی تو وہ اس حالت میں دُنیا سے جائے گا کہ اللہ اُس سے راضی ہو گا۔"

معاذ بن جبلؓ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن روانہ کیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت چاہی۔ آپؐ نے کہا:

"اپنا دین اللہ ہی کے لیے خالص کر لو تو تمہیں تھوڑی مشقت بھی کافی ہو گی۔"

عظیم محدث البیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "ایمان کیا ہے؟" تو آپؐ نے جواب دیا: "یہ اللہ اور اللہ ہی کی خلوصِ دل سے عبادت ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ مقبول علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تمہارے جسموں اور تمہاری شکل و صورت کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔"

Marfat.com

اگر کوئی شخص خالصتاً اللہ کی عبادت کرنے میں غفلت کرے تو اُسے حضورؐ کا یہ ارشاد نظر میں لانا چاہیے: "اللہ فرماتا ہے کہ مَیں اس سے مبرّا ہُوں جسے میرے ساتھ شریک کیا جائے۔ جو شخص بھی میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا وہ اُسی کے ساتھ شریک سمجھا جائے گا۔ پس اے لوگو! تنہا اللہ ہی کے لیے عمل کرو، کیونکہ اللہ دوسرے اعمال قبول نہیں کرے گا۔ یہ نہ کہو کہ مَیں یہ کام اللہ اور اپنے قرابت داروں کی پاسِ خاطر سے کر رہا ہُوں۔ یاد رکھو! یہ کہنے سے وہ کام کلیتاً تمہارے قرابت داروں کی خاطر شمار کیا جائے گا اور کسی طرح بھی اللہ کے لیے تصوّر نہیں ہو گا، اور یہ بھی نہ کہو کہ مَیں فلاں کام اللہ اور تمہارے لیے کر رہا ہوں کیونکہ یہ کہنے سے وہ کلیتاً لوگوں کے لیے شمار ہو گا نہ کہ اللہ کی عظمت کے لیے۔"

دین کو خالصتاً اللہ کے لیے کر دینے کا طریقہ

اپنے دین کو خالصتاً اللہ کے لیے اخلاص پیدا کرنے کے بارے میں ابو سعید الخرازؒ نے ایمان باللہ کے حوالے سے کہا ہے:

"ہمارا فرض ہے کہ اللہ پر ایمانِ واثق رکھیں اور یہ جان لیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہُوئے شہادت دیں کہ کوئی اِلٰہ یا معبود سوائے اللہ کے نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی اوّل ہے وہی آخر۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن۔ وہی خالق اور مصوّر ہے۔ وہ ہی کفیل و رزّاق ہے۔ وہی زندگی دیتا اور مارتا ہے، اور تمام معاملات اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ پھر اس بات پر ایمانِ کامل رکھیں کہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم، اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں اور آپؐ انسانوں کے لیے صداقت کے سرچشمے سے سچائی لائے اور تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہُوئے یہ یقین رکھیں کہ انہوں نے اللہ کے پیغامات سچائی کے ساتھ اُس کے بندوں تک پہنچائے اور تبلیغ کا فریضہ ادا کیا اور یہ کہ بہشت اور روزِ آخرت حق ہیں اور ہمیں لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ وہ جسے چاہے، معاف کر دے اور

Marfat.com

جسے چاہے سزا دے۔ ان تمام باتوں کا اقرار کھلے دل سے اور کسی تشکک یا بے یقینی کے بغیر کرنا چاہیے۔ جن باتوں کا ہم نے زبان سے اقرار کیا ہے اس کی گواہی دل کو دینا چاہیے۔ حضور اکرمؐ نے اللہ کی طرف سے جو پہنچایا اُس کے بارے میں بھی اپنے قلوب کو اوہام و شکوک کا شکار نہیں ہونے دینا چاہیے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی پیروی سے ہٹنا نہیں چاہیے۔ ان حامیانِ دین کی پیروی بھی لازم ہے جنہوں نے دین کے معاملے میں امّتِ مسلمہ کی بہترین رہنمائی کا حق ادا کیا۔ انتہائی اخلاص سے ملّتِ مسلمہ میں شامل رہنا چاہیے اور اس معاملے میں تنہا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا ہمارے پیشِ نظر ہونی چاہیے تاکہ ہماری خودسپردگی، ایمان اور اقرارِ توحید کامل ہو جائے۔"

ابوسعید نے آگے چل کر ایک آیتِ قرآنی نقل کی ہے جو یہ ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

(جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی اُمید رکھے چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ الکہف (۱۸) :۱۱۰)

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں:

"اس آیۂ مبارکہ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ عبادت گزار اپنے اعمال اور ظاہری اور باطنی حرکات و سکنات میں رضائے خداوندی کے سوا کسی اور چیز کا طالب نہ ہو۔ اُسے اپنے علم و عقل سے اپنی روح و قلب کی حفاظت کرنی چاہیے اور اپنے مقصد پر نظر رکھتے ہوئے اپنے معاملات خُدا کے سپرد کر دینے چاہییں۔ کسی کی تحسین و آفرین سے غرض نہیں رکھنی چاہیے۔ اگر ایسا ہو تو اُسے فوراً ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس پر کبھی راضی نہ ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اُس کی تعریف کرے تو اُسے یہ سُن کر اللہ کی حمد کرنا چاہیے کہ اُس نے اپنے رحم و کرم سے ایسی صفت دی جو لوگوں کی نظر میں پسندیدہ ٹھہری۔ اس کے بعد اُسے اپنے گناہوں اور اُن وسوسوں سے ڈرنا چاہیے جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ

Marfat.com

مگر اللہ پر عیاں ہیں اور اُسے اس سے فکر مند ہونا چاہیے کہ کہیں اس کے وسوسے اس کی ظاہری زندگی سے بدتر تو نہیں کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر وسوسے ظاہری زندگی سے بدتر ہوں تو یہ بداعمالی ہے۔ اگر کسی کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو یہ عدل قرار پائے گا اور اگر اندرونی خیالات ظاہری زندگی سے بہتر ہیں تو یہ فضیلت شمار ہوگی۔"

ان باتوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ابوسعید لکھتے ہیں:

"کسی انسان کو اپنی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز اللہ ہی کو بنانا چاہیے، اُسے صرف اُسی سے ڈرنا اور اُسی کی حمد کرنا چاہیے اور زندگی میں اُسی کی خوشنودی طلب کرنا چاہیے۔ اُسے کسی کی ملامت یا طعنوں کی پروا نہ کرنا چاہیے اور نہ اُس کا کوئی اثر دل پر لینا چاہیے بشرطیکہ اُس نے وہ راستہ اختیار کیا ہو جو اللہ کی محبت اور خوشنودی کا ضامن ہو۔ درجۂ اخلاص تک پہنچنے کے لیے ابھی اور بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر جو کچھ ہم نے کہہ دیا ہے وہ اُن مریدین کے لیے کافی ہے جو راہِ ہدایت اختیار کرنا چاہتے ہوں۔"

ان باتوں سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر انسان کے دل میں ایمان ہے تو اُسے اپنے رب پر کامل ایمان لانا چاہیے۔

ایمان میں اخلاص پیدا کرنے کی راہ

اخلاص کے بلند محل کی پہلی اینٹ اور اس کے باغِ دلکشا میں لگنے والا پہلا درخت اپنے احوال پر اخلاص سے ندامت اور پشیمانی ہے۔ مشہور مبلغِ دین النووی نے اپنی کتاب "ریاض الصالحین" میں اس رویے کی خوبصورتی سے وضاحت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"علماء کا کہنا ہے کہ ہر گناہ پر پشیمانی لازم ہے۔ اگر آپ اللہ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے ہیں مگر حقوق العباد کا لحاظ رکھا ہے تو اس کی درستی کی تین شرطیں ہیں: پہلے تو یہ کہ اُس کی نافرمانی کو ترک کر دیجیے۔ دوسری یہ کہ اس نافرمانی پر ندامت کا اظہار

Marfat.com

کیجیے اور آخر میں یہ عہد کیجیے کہ آئندہ کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اگر ان تین میں سے کوئی ایک شرط آپ پوری نہ کر سکے تو سمجھیے ندامت کا عمل بے کار گیا۔

لیکن اگر اللہ کی نافرمانی سے حقوق العباد متاثر ہوئے تو اس کی اصلاح کے لیے چار شرطیں ہیں:

پہلی تین شرائط کے ساتھ ساتھ اپنے ذمّے واجب الادا قرض سے پاک ہو جائے۔

دوم یہ کہ اگر اُس نے بہتان یا تہمت لگائی ہے یا کوئی بُری بات کہی ہے تو اُس شخص سے کہے کہ وہ اس بات کی جو مناسب جزا سمجھے اُسے دے یا پھر اُس سے معافی مانگے۔ اگر وہ چغل خوری یا لگائی بجھائی کا مرتکب ہوا ہے تو اس صورت میں متاثرہ شخص سے معافی مانگے۔ ہر شخص کو اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ اگر وہ صرف چند گناہوں کی معافی مانگے گا تو اُس کی ندامت و توبہ صرف چند گناہوں کے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے جبکہ باقی گناہ توبہ سے رہ جائیں گے۔ قرآن، حدیث اور اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان پر توبہ واجب ہے۔"

دین میں اخلاص کا درجہ حاصل کرنے کے لیے ندامت اور توبہ و استغفار ضروری ہے۔ اللہ نے اور اُس کے رسولِ برحق نے بھی ہمیں توبہ و استغفار کے کچھ عمدہ طریقے تعلیم فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرتے ہو، میں تمام گناہوں کا معاف کرنے والا ہوں۔ مجھ سے معافی طلب کرو۔ میں تمہیں معاف کر دوں گا۔"

مسلم میں ایک حدیثِ رسولؐ روایت کی گئی ہے جو یُوں ہے:

"اللہ اپنے بندوں کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے اور اُس کی مثال کچھ اس طرح دی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ریگستان میں اُونٹنی پر سفر کر رہا ہو اور وہ اُونٹنی اس کے کھانے پینے کا سامان لے کر بھاگ جائے اور وہ شخص اس کی واپسی

Marfat.com

سے مایوس ہو کر کسی درخت تلے پڑ جائے اور اس حالت میں یکایک اس کی اونٹنی واپس آ کر اُس کے پاس کھڑی ہو جائے تو وہ کُود کر اُٹھے اور اس کی نکیل پکڑ کر جوشِ شدت سے کہے: "اے اللہ! تُو میرا بندہ ہے اور مَیں تیرا آقا ہوں"۔ اللہ کو اس سے بھی زیادہ خوشی اپنے بندوں کی توبہ سے ہوتی ہے۔

مُسلم نے ابو موسیٰ الاشعری سے یہ بھی روایت کیا ہے:

"فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہ اللہ جل شانہٗ رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے کہ جن لوگوں نے دن میں گناہ کیے ہیں وہ توبہ کر لیں۔ اور وہ اپنا ہاتھ دن میں بھی بڑھاتا ہے کہ جن لوگوں نے رات میں گناہ کیے ہیں وہ توبہ کر لیں اور یہ عمل اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک قیامت نہیں آئے گی اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع نہیں ہو گا"۔

اللہ عزّ و جل نے توبہ کو واجب قرار دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

(اور مومنو! سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ النّور (۲۴):۳۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔

(مومنو! خدا کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔ التحریم (۶۶):۸)

اس کے ساتھ ہی اللہ رحیم و کریم اپنے عفو و رحم کا یقین اپنے بندوں کے دلوں میں بٹھانے کے لیے فرماتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝

(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے نااُمید نہ ہونا۔ خُدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ الزّمر (۳۹):۵۳)

اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے مؤثر اور پُرہیبت انداز میں فرمایا ہے:

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ

Marfat.com

رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِىْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

(اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ واقع ہو، اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ پھر تم کو مدد نہیں ملے گی۔ اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے، پیروی کرو۔ کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس یہ کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر خدا مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔ یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔ (خدا فرمائے گا) کیوں نہیں، میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی ہیں مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر میں آگیا اور تو کافر بن گیا۔ اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے۔ کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے؟ **الزمر** (۳۹): ۵۴-۶۰)

ان آیات کا اختتام متقیوں کے انجام کے ذکر پر ہوتا ہے:

وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(اور جو پرہیزگار ہیں ان کی (سعادت اور) کامیابی کے سبب خدا ان کو نجات دے گا، نہ تو ان کو کوئی سختی پہنچے گی اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ **الزمر**: (۳۹):۶۱)

اگر توبہ صدقِ دل سے کی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بعد مکمل طور پر اللہ کی اطاعت کی جائے۔ ان کاموں سے بچا جائے جن سے اس نے منع فرمایا ہے اور وہ کام کیے جائیں جن کی اس نے اجازت دی ہے۔ اللہ اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ

Marfat.com

السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ، وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ، وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا، وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ـ

(نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر اُن) کی طرف مُنہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کر لیں تو اُس کو پُورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکۂ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں۔ **البقرۃ** (۲:۱۷۷)

اور توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی ان ہدایات پر عمل کرے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

(خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ **النحل** (۱۶:۹۰)

پُر خلوص توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے کردار میں وہ اوصاف پیدا کرے جنہیں اللہ پسند فرماتا ہے اور جب انسان اس حالت پر پہنچ جاتا ہے کہ ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کرے تو اُسے تزکیۂ نفس اور فوز و فلاح حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝

(کہ جس نے (اپنے نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مُراد کو پہنچا۔ **الشمس** (۹۱:۹)

اس سے انسان مقامِ 'احسان' کو پالیتا ہے۔ 'احسان' کی تعریف رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یُوں کی ہے: "اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو اگر تم اُسے نہیں دیکھ رہے تو (یہ دل و جان سے سمجھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" جب کوئی انسان اس حالت پر آجاتا ہے تو محبتِ الٰہی سے اس کا سینہ منوّر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربّی ہے:

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۔

(بے شک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔ البقرۃ (۲) ۱۹۵)

ہم نے ان صفحات میں اُن لوگوں کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے پیش کردہ مثالی کردار کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نفس پاک اور رُوحیں شفّاف ہیں ۔ ہمارے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پوری زندگی ایک ایسی ہی مثالی ملّت کی تشکیل کے لیے وقف کردی تھی ۔ انہوں نے رسالت کا اس طرح حق ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی تھا ۔ آپؐ کا کردار اس لیے تھا کہ آپؐ انسانیت کے معلّم بنا کر بھیجے گئے تھے ۔

وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ

(اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے ۔ البقرۃ (۲) ۱۲۹)

Marfat.com

ملائکہ

ملائکہ پر یقین رکھنا ایمان کا ایک ضروری حصّہ ہے۔ بخاری میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کچھ صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ جبرائیلؑ آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے پوچھا: "ایمان کیا ہے؟" آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا: "ایمان یہ ہے کہ اللہ، اُس کے فرشتوں، لقائے ربّ، اُس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور روزِ قیامت پر دل سے ایمان لایا جائے۔"

قرآنِ مجید میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے کئی سورتوں اور ابواب میں فرشتوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝

(جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے اُن پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، خوشی مناؤ۔

Marfat.com

ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور ہاں! جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لیے موجود ہو گی۔ حٰمٓ السجدۃ (۴۱) : ۳۰ - ۳۱)

ملائکہ کے سلسلے میں امام غزالیؒ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں اپنے ذاتی تجربات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس راہ کے سالکوں (صوفی کے تزکیۂ نفس کی راہ کے سالکوں) کے لیے ابتداء ہی سے لقاء و رویت کا عمل شروع ہو جاتا ہے؛ یہاں تک کہ وہ حالتِ بیداری میں بھی فرشتوں اور پیغمبروں کی ارواحِ لطیفہ کا دیدار کر سکتے ہیں، اُن کی آوازیں سُن سکتے ہیں اور اُن سے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔"

سوچنے کی بات ہے کہ جب پاک باطن مؤمنین کا رابطہ فرشتوں سے ہو سکتا ہے تو اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں پر ان کا نزول کس حد تک ہوتا ہو گا۔ وہ قدم قدم پر انہیں بشارت دینے، ہم سخنی کرنے اور بعض مواقع پر اُن کی مدد کرنے کے لیے آتے ہوں گے۔

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق یہ بات سب جانتے ہیں کہ جبرائیلِ امین آپؐ کے پاس بیداری کی حالت میں آیا کرتے تھے اور آنحضورؐ کی فرشتوں سے ملاقاتیں اور بات چیت ہوتی رہتی تھی اور اسی لیے آپؐ لہسن، پیاز وغیرہ جیسی بدبودار اشیاء نوش نہیں فرماتے تھے۔ اسی لیے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، ابنِ خلدون کا کہنا ہے کہ جب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم سے لہسن اور پیاز وغیرہ نہ کھانے کی وجہ پُوچھی گئی تو آپؐ نے فرمایا: "مَیں کچھ ایسے لوگوں سے ملتا جلتا ہُوں جن سے تم نہیں ملتے۔" ہم اس بات کا ذکر بھی کر چکے ہیں کہ جب پہلی وحی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہُوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا حضورِ اکرم کے پاس واقعی کوئی فرشتہ آتا ہے، ایک دن دورانِ وحی اُس جگہ چلی گئیں جہاں آپؐ تشریف فرما تھے۔ اُن کے آتے ہی یکایک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس

Marfat.com

سے انہوں نے یہ جان لیا کہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس کوئی رُوح نہیں بلکہ فرشتہ ہی آتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدارجِ تخلیق میں فرشتوں کا کیا مقام ہے؟ اس سلسلے میں جو بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام سے پہلے تخلیق فرمایا تھا تبھی تو اللہ کریم نے آدمؑ کو وجود میں لاتے ہی فرشتوں سے کہا تھا کہ انہیں سجدہ کرو۔ وہ سب حُکمِ ربیّ پر لبیک کہتے ہُوئے اُن کے آگے سجدہ ریز ہو گئے سوائے ابلیس کے جس نے بغاوت کا راستہ اختیار کیا اور کہا کہ اے مالک الملک! کیا تو ہمیں مٹّی اور پانی سے بنے انسان کے آگے جُھک جانے کا حکم دے رہا ہے؟ اس جُرم کی سزا میں ابلیس ہمیشہ کے لیے مردود اور لعنتی ٹھہرا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کی جسمانی ساخت کیسی ہے؟ وہ کس شے سے بنائے گئے ہیں؟ اس سلسلے میں مُسلم نے ایک روایت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ فرشتے 'نُور' یعنی روشنی سے پیدا کیے گئے ہیں۔" اب رہا اُن کے کام کا معاملہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اجازتِ خاص سے ان کے ذمّے مختلف کاموں کی انجام دہی مقرر فرما رکھی ہے۔ کچھ فرشتے اپنے کاندھوں پر عرشِ الٰہی اُٹھائے رکھتے ہیں۔ دن رات اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اُن کے لبوں پر رہتی ہے۔ ذکرِ الٰہی سے اپنے خالق کی عظمت پر اُن کا یقین برابر بڑھتا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکرِ الٰہی ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خواہ فرشتے ہوں یا انسان۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک ناموں کے ورد کو استحکامِ ایمان کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیات میں بتایا ہے کہ اس کے عرش بردار فرشتے کس طرح ایمان والوں یعنی مسلمین کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں:

Marfat.com

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(جو لوگ عرش کو اُٹھائے ہُوئے اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہُوئے) ہیں (یعنی فرشتے) وہ اپنے پرور دگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں کہ اے پرور دگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو احاطہ کیے ہُوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے اُن کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے پرور دگار! ان کو ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل کر جن کا تُو نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔ اور جو اُن کے باپ دادا اور اُن کی بیویوں اور اُن کی اولاد میں سے نیک ہوں اُن کو بھی۔ بیشک تُو غالب حکمت والا ہے اور اُن کو عذابوں سے بچائے رکھ اور جس کو تو اُس روز عذابوں سے بچالے گا تو نے بیشک اُس پر مہربانی فرمائی۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ المؤمن (۴۰): ۷-۹)

جب کوئی انسان اپنی زندگی اس انداز پر منظم کر لیتا ہے کہ یادِ الٰہی میں کوئی چیز بھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے اور جب وہ امتِ مسلمہ کے لیے سچے دل سے دعائیں کرتا رہتا ہے تو وہ بھی عرشِ الٰہی تھامنے والے فرشتوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذمّے کچھ اور خدمات بھی لگا رکھی ہیں۔ وہ ہر لمحے اللہ کے حکم ہی سے نقل و حرکت کرتے ہیں۔ صحیح البخاری میں ابنِ عباس کی بیان کردہ ایک روایت درج ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پوچھا:

"تم ہمارے پاس زیادہ جلد جلد کیوں نہیں آتے؟"

اس سوال کے جواب میں اللہ نے ذیل کی آیات نازل فرمائیں:

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝

(اور فرشتوں نے پیغمبر کو (جواب دیا کہ) ہم تمہارے پرور دگار کے سوا اتر نہیں سکتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور تمہارا پرور دگار بھولنے والا نہیں۔ مریم (۱۹): ۶۴)

Marfat.com

رسولوں کے پاس فرشتے اللہ کے پیغامات اور احکامات لاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ مبین میں ارشاد ہوتا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ۝

(اس امانت کو فرشتہ لے کر اترا ہے۔ الشعراء (۲۶) ۱۹۳)

حضرت ہادیٔ عالم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی اور جبرائیلِ امین نے اُن کے پاس حاضر ہو کر اُن سے کہا: پڑھیے تو تقاضائے بشری کے تحت اس واقعے کے بعد آپؐ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ آپؐ نے اس پوری کیفیت کو جب اپنی زوجۂ پاک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو وہ آپؐ کو اپنے ایک چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو قبل اسلام عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔ اور عبرانی زبان میں انجیل کی کتابت کرتے تھے۔ ورقہ بن نوفل نے سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "آپ نے کسے دیکھا تھا؟" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب تفصیل سے پورا واقعہ بیان کیا تو ورقہ نے کہا: "یہ وہی فرشتہ ہے جسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا"۔

فرشتے بشارت دینے کے لیے بھی بھیجے جاتے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو اُن کی دعا کی قبولیت کی خبر فرشتوں ہی کے ذریعے پہنچائی گئی تھی۔ اللہ سبحانہٗ تعالےٰ قرآنِ حکیم میں اس کا ذکر ان آیات میں فرماتا ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

(اُس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ پروردگار! مجھے اپنی جناب سے اولادِ صالح عطا فرما تُو بے شک دُعا سُننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) خدا تمہیں یحیٰی کی بشارت دیتا ہے جو خدا کے فیض (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور

Marfat.com

(خدا کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں ہوں گے۔ آلِ عمران (۳): ۳۸ - ۳۹)

اللہ کے فرشتے حضرت مریمؑ کے پاس بھی خوشخبری لائے تھے کہ:

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ ٭ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ وَجِیۡہًا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ۞

(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم! خدا تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابنِ مریم ہوگا (اور جو) دنیا و آخرت میں باآبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہوگا۔ آلِ عمران (۳): ۴۵)

روزِ آخرت جب اللہ انصاف کے لیے تشریف فرما ہوگا اور لوگ گروہ در گروہ جمع ہوں گے تو فرشتے اللہ کے نیک بندوں کو اُن کے رب کی بخشش کی خوشخبری اِن الفاظ میں دیں گے:

ھٰذَا یَوۡمُکُمُ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۞

(یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ الانبیاء (۲۱): ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے کافروں سے جنگ کے موقع پر، مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کرنے کے لیے فرشتوں کو بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا:

اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

(میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مومنوں کو تسلّی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ الانفال (۸): ۱۲)

اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے فرشتوں کی کمک بھی بھیجتا ہے۔ اسی جنگِ بدر میں، اُس نے فرشتے مدد کے لیے بھیجے تھے۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۞ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ اَنۡ یُّمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُنۡزَلِیۡنَ ۞ بَلٰۤی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِہِمۡ ھٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیۡنَ ۞

(پس خدا سے ڈرو (اور ان احسانوں کو یاد کرو) تاکہ شکر کرو۔ جب تم مومنوں سے یہ کہہ (کر اُن کے دل) بڑھا رہے تھے

Marfat.com

کہ کیا یہ کافی نہیں کہ پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہیں مدد دے۔ ہاں، اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (خدا سے) ڈرتے رہو اور کافر تم پر جوش کے ساتھ دفعتہً حملہ کر دیں تو پروردگار پانچ ہزار فرشتے جن پر نشان ہوں گے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔ آلِ عمران (۳): ۱۲۳ - ۱۲۵)۔

آیاتِ بالا کے مطالعے کے بعد آپ نے یہ بات نظر میں لے لی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول کے لیے صبر اور تقویٰ بنیادی شرائط رکھی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ پر اکثر کتابوں میں فرشتوں سے متعلق ذیل میں درج یہ واقعہ ملتا ہے:

"جس رات حنظلہ ابنِ ابی عامر کی شادی انجام پائی تو اُنہوں نے جنگِ اُحد کا اعلان سُنا۔ وہ فوراً ہی حجلۂ عروسی سے نکل کر جنگ میں جا شریک ہُوئے جہاں وہ نہایت دلیری سے دشمن کی صفوں میں جا گھسے۔ ناگاہ ایک تیر اُنہیں لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ جب یہ جنگ ختم ہُوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: "مَیں نے حنظلہ کو دیکھا کہ فرشتے اُنہیں زمین اور بہشت کے درمیان چاندی کے برتنوں میں بھرے بارش کے پانی سے غسل دے رہے تھے"۔ چند صحابی یہ سُن کر اُس مقام پر گئے جہاں حنظلہ کا جسم دوسرے شہیدوں کے ساتھ پڑا ہُوا تھا۔ اُن لوگوں نے حنظلہ کا سر چُھو کر دیکھا تو اُن کے بال گیلے تھے۔ اس بات کی جب اطلاع حضورِ اقدسؐ کو دی گئی تو آپؐ نے فرمایا: "جاؤ! اُس کی بیوی سے جا کر پُورا احوال سُنو!" یہ صحابہ جب حنظلہ کی بیوی کے پاس گئے تو اُنہوں نے بتایا کہ اُن کے شوہر نے شادی کی رات اُن کے ساتھ گزاری۔ پھر جُوں ہی اُنہوں نے جہاد کی پُکار سُنی وہ اپنے آپ کو غسل سے پاک کیے بغیر ہی دوڑتے ہُوئے میدانِ جنگ میں جا پہنچے۔ جب صحابہ نے حضور اکرمؐ پر حنظلہ کی بیوی کا بیان ظاہر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"اسی لیے تو فرشتے انہیں غسل دے رہے تھے"۔

فرشتوں کے بعض فرائض بڑے عمدہ ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی بیان کردہ ایک حدیثِ رسولؐ سے ہمیں معلوم ہُوا ہے:

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبّت کرتے ہیں تو جبرائیلؑ کو طلب کر کے کہتے ہیں "مَیں اس بندے سے محبّت کرتا ہُوں، تم بھی اس سے محبت کرو"۔ حُکمِ ربّی سے جبرائیلؑ بھی اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور تمام ملائکہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے، اس لیے تم بھی اس بندے سے محبّت کرو۔ وہ سب بھی اُس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرائیلؑ اس خوش نصیب بندے کے لیے دُنیا والوں کی قبولیّت اور محبّت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔

صحیح البخاری میں فرشتوں کے سلسلے میں درج ایک حدیث کا ذکر کیے بغیر نہیں رہا جاتا۔ اس حدیث کی راویہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مَیں نے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ایک دن پُوچھا کیا آپ پر جنگِ اُحد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن کبھی گزرا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُنھیں اُس زمانے کے واقعات بتانے شروع کیے جب آپؐ اپنی قوم کو اللہ کے دین میں شامل ہونے کی دعوت دینا شروع کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب سے سخت وہ دن تھا جب العقبہ پر مَیں نے عبدِ یعلیل کو اسلام قبول کر کے دعوتِ حق میں اپنی مدد کرنے کے لیے بُلایا تھا لیکن اُس نے تمسخر اُڑایا اور درشتگی سے اسلام قبول کرنے سے اُنکار کیا تو مَیں بہت رنج کے عالم میں اپنی تکالیف پر غور کرتا ہُوا وہاں سے چل دیا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ مَیں کدھر جا رہا ہُوں۔ اس حالت میں چلتا چلتا مَیں قرب الثعالب جا پہنچا جو مکّے سے ایک دن کی پیدل راہ ہے تو مجھے ہوش سا آیا اور مَیں نے اپنا جُھکا ہُوا سر اُوپر اُٹھایا تو وہاں مجھے بادل کا ایک ٹکڑا نظر آیا جو مجھ پر سایہ کیے ہُوئے تھا۔ اس میں مَیں نے جبرائیلؑ کو دیکھا اُنھوں نے مجھے آواز دے کر کہا: "آپ کی قوم نے آپ سے جو کچھ کہا اور جس طرح آپ سے پیش آئے اللہ نے سب سُن لیا ہے۔ اللہ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔ جو چاہے اسے حکم دیجیے"۔

پھر پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے سلام کیا اور کہا: "اے محمدؐ، اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ اُس نے وہ سب کچھ سُن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا ہے۔ اللہ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں آپ کا حکم بجالاؤں۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان پر "الاخشبین" کی دونوں پہاڑیاں دے ماروں" (یہ اونچے پہاڑ مکّے کے نواح میں ہیں)

پہاڑوں کے فرشتے کی باتیں سُن کر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: "مجھے اُمید ہے اللہ ان لوگوں میں ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے"۔

جبرائیلؑ کے جواب میں ذرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رحمدلی اور شفقت پر غور کیجیے۔ اسی قسم کی صورتِ حال میں آپؐ ہمیشہ یہ دُعا فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! انہیں معاف کر دے کیونکہ یہ جانتے نہیں"۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیے ہُوئے اس خطاب کا ہر طرح خود کو اہل ثابت کر دیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

(اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ الانبیاء (۲۱): ۱۰۷)

اور اس کی تصدیق حضورؐ کے اِس قول سے بھی ہوتی ہے:

"مَیں وہ رحمت ہُوں جو لوگوں کو مرحمت کی گئی"۔

Marfat.com

حیات بعد الممات

یعنی

مرنے کے بعد دوبارہ زندگی (کا تصوّر)

تمام بلندی اور عظمت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے، عالم الغیب اور قادرِ مطلق ہے۔ وہ مرے ہُوؤں کو پھر سے اُٹھانے والا بھی ہے۔

حیات بعد الممات یعنی موت کے بعد دوبارہ زندگی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کچھ لوگ قائل نہیں ہوتے۔ امام غزالیؒ نے ایسے لوگوں کو "دہریہ" کہا ہے۔ یہ لوگ قدرت میں بکھری ہُوئی رعنائیوں اور کاریگری کو دیکھ کر، جو محض اتّفاق کا نتیجہ نہیں، ایک خالق، ایک پیدا کرنے والے کے تو قائل ہو جاتے ہیں مگر اس بات پر اڑے رہتے ہیں کہ جسم کے مِٹ جانے کے بعد رُوح بھی مِٹ جاتی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اس دُنیاوی زندگی کے خاتمے کے بعد کسی دوسری زندگی کا تصوّر نہیں رکھتے۔ نہ وہ روزِ حساب کے قائل ہیں نہ جنّت دوزخ کے۔ قرآنِ حکیم نے کئی بار اُن کے اور دُنیا کے مختلف خِطّوں کے لوگوں کی ایسی دلیلوں کا جواب دیا ہے جو اُنھوں نے حیات بعد الممات کے خلاف مختلف زاویوں سے پیش کیں۔

قرآنِ حکیم جب نازل ہُوا تو اُس وقت کے عرب "دہریے" فلسفیانہ استدلال

Marfat.com

سے واقف نہیں تھے۔ وہ توحیات بعد الممات کو ایک ناقابلِ یقین بات سمجھتے تھے۔ قرآن نے ان کے اعتراضات یوں بیان کیے ہیں:

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝

(اور کہتے ہیں کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا از سرِ نو پیدا ہو کر اُٹھیں گے؟ بنی اسرائیل (۱۷):۴۹)

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝

(کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو اُن کو کون زندہ کرے گا؟ یٰسٓ (۳۶):۷۸)

قرآنِ کریم اُنہیں قادرِ مطلق اللہ کی بے حد و حساب قوتوں کی عالمِ بالا میں کارفرمائی کے حوالے سے جواب دیتا ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ۝ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۝

(کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا؟ پھر لوتھڑا ہوا پھر (خدا نے) اُس کو بنایا۔ پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا۔ پھر اُس کی دو قسمیں بنائیں۔ (ایک) مرد اور (ایک) عورت۔ کیا اُس کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مُردوں کو جِلا اُٹھائے؟ القیامۃ (۷۵): ۳۶-۴۰)

قرآنِ کریم کی بہت سی سورتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت و عدل کی مظہر ہیں اور ان میں حیات بعد الممات کے انکار کا جواب دیا گیا ہے۔ درجِ ذیل آیات میں ہم قرآن کے واضح اور مدلّل جوابات پیش کرتے ہیں اور انہیں نقل کرنے کے بعد ان پر عظیم فلسفی الکندی کی تفسیر بھی پیش کر رہے ہیں:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْــــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

(کہنے لگا (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو اُن کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو کہ اُن کو وہ زندہ کرے گا

Marfat.com

جس نے اُن کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ (وہی) جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اُس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر اُن) سے آگ نکالتے ہو۔ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (اُن کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں۔ اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا (اور) علم والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اُسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ یٰس (۳۶: ۸۰-۸۳)

"رسائل کندی" میں ہمارے فلسفی نے اُن نظریاتی اصولوں کو پیش کیا ہے جو ان آیات کے بطن میں پائے جاتے ہیں اور انہیں سے نتائج اخذ کیے ہیں۔

۱۔ کسی چیز کا پیدا ہونے کے بعد فنا ہونا اور دوبارہ وجود میں آنا ممکن ہے اور اس کا ثبوت اسے خود مشاہدہ کرنے میں ہے۔ بالخصوص کسی چیز کے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کرنا کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے سے آسان تر ہے (حالانکہ خدا کے لیے مشکل یا آسان کی تفریق بے معنی ہے)۔ اس کا ثبوت درج ذیل آیت میں ملتا ہے:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِیٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ

(کہہ دو کہ اُن کو وہ زندہ کرے گا جس نے اُن کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ یٰس (۳۶: ۷۹)

۲۔ کسی چیز کا اپنے مخالف یا ضد سے پیدا ہونا یقیناً ممکن ہے، جیسے ہرے بھرے درخت سے آگ نکلنا اور ایسا حقیقتاً ہوتا بھی ہے، جسے ہم اپنے حواسِ خمسہ سے محسوس بھی کر سکتے ہیں۔ پس زندگی کا کسی بے جان اور پراگندہ وجود میں عود کر آنا بھی ممکن ہے اور اس دلیل کی بنیاد بھی اسی اہم اصول پر ہے کہ خالق کے لیے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا کچھ مشکل نہیں۔ اس کا ثبوت بھی قرآن کی اس آیۂ مبارکہ میں موجود ہے:

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝

Marfat.com

(وہی) جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی، پھر تم اُس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر اُن) سے آگ نکالتے ہو۔ یٰس (۳۶): ۸۰)

الاشعری نے اسی دلیل سے حیات بعد الممات کو ثابت کیا ہے۔

۳۔ انسان کی تخلیق اور موت کے بعد حیات کائنات کو عدم سے وجود میں لانے سے کہیں زیادہ آسان ہے اور درجِ ذیل قرآنی آیت کا مرکزی خیال یہی ہے:

اَوَلَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ ؕ بَلٰی ٭ وَہُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ۝

(بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (اُن کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے؟ کیوں نہیں۔ اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ یٰس (۳۶): ۸۱)

۴۔ اللہ تعالیٰ کو تخلیق کے عمل میں نہ تو وقت درکار ہوتا ہے نہ کسی مادّے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہیں انسانی عمل اور اللہ کے عمل کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کے لیے کسی چیز کو متشکل کرنے میں وقت لگتا ہے اور اُسے مسالہ بھی درکار ہوتا ہے جس سے کسی چیز کو بنانا مقصود ہو۔

اللہ سُبحانہٗ تعالیٰ اپنے بنانے کے عمل کو اس آیۂ مبارکہ میں بیان فرماتا ہے:

اِنَّمَاۤ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۝

(اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ یٰس (۳۶): ۸۲)

مُنکرین نے فرض کر لیا ہے کہ اتنی بڑی کائنات کی تخلیق کے لیے اُسی نسبت سے بہت وقت چاہیے۔ الکندی کا خیال ہے کہ یہ آیت مُنکرین کے دلوں سے یہ خام خیالی دُور کر دے گی۔ خدائی عمل کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے یہ آیت منکرین کو مسکت جواب دیتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیتِ تخلیق اور قدرتِ کاملہ کے لیے کسی مادّے یا وقت کی پابندی لازم نہیں۔

الکندی لکھتا ہے:

"بھلا ایسا کوئی شخص ہو سکتا ہے جو انسانی فلسفے سمیت، اتنے مختصر الفاظ میں اس

Marfat.com

بات کو بیان کر سکتا ہے جو اللہ عزوجل نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کے لیے استعمال کیے ہیں کہ ہڈیاں گلنے سڑنے کے بعد پھر زندہ کردی جائیں گی ؛ اور یہ کہ اُس کی قدرتِ کاملہ نے آسمان و زمین پیدا کیے اور یہ کہ وہ اضداد سے بھی پیدا کر سکتا ہے ۔ منطقیوں کی پُر فریب باتیں اور انسان کی اعلیٰ ترین صلاحیتیں بھی اس عظیم حقیقت کو جُھٹلا نہیں سکتیں اور انسان کی محدود عقل تو یہاں تک پہنچنے سے قطعی قاصر ہے۔"

حیات بعد الممات کے موضوع کو ختم کرنے سے پہلے ہم قاری کی توجہ قرآن مجید کی اُن آیات کی طرف دلانا چاہتے ہیں جن میں "مردہ" زمین کو دوبارہ زندہ کرنے اور اس سے پھل پھول پیدا کرنے کا موازنہ استخوانِ شکستہ کو حیاتِ نو دینے سے کیا گیا ہے ۔ ذرا اب موت کے بطن سے زندگی پھوٹتی ہوئی دیکھیے ۔ ارشادِ باری ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُـحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

(لوگو! اگر تم کو (مرنے کے بعد) جی اُٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتدا میں) مٹی سے پھر اُس کو نطفہ بنا کر۔ پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر۔ پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر (اپنی خالقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض (قبل از پیری) مرجاتے ہیں اور بعض (شیخ فانی ہو جاتے اور بڑھاپے کی) نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد بالکل لاعلم ہو جاتے ہیں اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور اُبھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی

Marfat.com

ہے۔ ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ خدا ہی (قادرِ مطلق ہے جو) برحق ہے اور یہ کہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ خدا سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اُٹھائے گا۔ **الحج (۲۲) ، ۵-۷)**

قرآنِ مبین نے حیات بعد الممات سے پہلے اور اس کے بعد کی صورتِ حال کو انتہائی اثر انگیز الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قرآنِ مجید کی بے شمار آیات میں حشر، یوم جزا، پرسشِ اعمال، مومنوں اور کافروں کے احوال، جہنم کی ہولناکیوں اور جنت کی رعنائیوں اور شادابیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہاں صرف ایک مثال دی جاتی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآْىءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْعٰلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(اور اُنہوں نے خدا کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی اور قیامت کے دن تمام زمین اُس کی مُٹھی میں ہو گی اور آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے (اور) وہ اُن لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔ اور جب صُور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر وہ جس کو خدا چاہے۔ پھر دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے پروردگار کے نُور سے چمک اُٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی، اور پیغمبر اور سب گواہ حاضر کیے جائیں گے اور اُن میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی، اور جس شخص نے جو عمل کیا ہو گا اُس کو اُس کا

Marfat.com

پُورا پُورا بدلہ مل جائے گا اور یہ جو کچھ کرتے ہیں اُس کو سب کی خبر ہے ؛ اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیے جائیں گے تو اس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے۔ کہیں گے کیوں نہیں لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم تحقیق ہو چکا تھا۔ کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہو گے تکبّر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانا ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اُن کو گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے تو اس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ تم پر سلام، تم بہت اچھے رہے۔ اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ وہ کہیں گے کہ خُدا کا شکر ہے جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچّا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم بہشت میں جس مکان میں چاہیں رہیں، تو (اچھے) عمل کرنے والوں کا بدلہ بھی کیسا خوب ہے۔ تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہُوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔ اور اُن میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔ الزّمر (۳۹): ۶۷-۷۵)

Marfat.com

باب ششم

اسلام میں رحمت کا تصوّر

قرآنِ کریم میں آیا ہے :

اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ

(بے شک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔ ھُود (۱۱):۹۰)

اور رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ارشاد ہے :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(اور اے محمد) ہم نے تم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ الانبیاء (۲۱):۱۰۷)

حدیث شریف میں آیا ہے :

"اگر تم رحم نہیں کرتے تو تم مومن نہیں"۔

رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "ایمان اللہ، اس کے پیغمبروں، فرشتوں، حشر و نشر اور اپنے پروردگار سے ملنے کا نام ہے"۔

پچھلے ابواب میں ہم دینِ اسلام کے بنیادی ستونوں یعنی مرکزی اصولوں پر گفتگو کر چکے ہیں۔ اس دین میں وہ خوبیاں اور کمالات ہیں جو انسان کی دنیاوی اور

Marfat.com

اخروی زندگی کو خوشگوار بناتے ہیں۔ اس مختصر کتاب میں تمام باتوں کا تفصیل سے ذکر تو ممکن نہیں۔ بہرحال یہاں ہم صرف رحمت کی صفت اور خوبی اور آخری باب میں یقین والوں اور بے یقینوں کی بات کریں گے۔

اب ہم رحمت کی طرف آتے ہیں جو اللہ رحمان و رحیم کی بے شمار صفتوں میں سے ایک بنیادی اور اہم صفت ہے اور یہی وہ صفت ہے جو ہمارے ہادیٔ برحق حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سچے مومنوں کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

اللہ کے پاک اور مبارک ناموں میں سے ایک نام الرحمٰن ہے جس کے معنی ہیں "تمام تر رحم و کرم سے بھرا ہوا"۔ اس نام کا درجہ اتنا بلند ہے کہ یہ خدا کے خاص نام یعنی 'اللہ' کے ہم پلّہ نام تصور ہوتا ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى

(کہہ دو کہ تم (خدا کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اُس کے سب نام اچھے ہیں۔ بنی اسرائیل (۱۷):۱۱۰)

اللہ جلّ و علا کا ایک اور مبارک نام 'الرحیم' ہے جس کے معنی ہیں 'تمام تر کرم والا' کیونکہ اللہ کی رحمت ہمہ گیر، کامل اور ہر چیز پر محیط ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مکمل رحمتِ الٰہی کو بڑی خوبی سے سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت میں ضرورتمندوں کے لیے کرم ہے اور اس میں ان کے لیے تمام تر بہتری اور فائدہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اللہ کا رحم و کرم مکمل ترین حیثیت کا حامل ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی تمام حاجتیں پوری ہوں، اس لیے وہ اسے بتمام و کمال بروئے کار لاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مستحق اور غیر مستحق سب پر عام ہے۔ وہ اپنی عنایتوں اور بخششوں میں ضروریات اور راحتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ مانگنے والا کچھ بھی اُس سے مانگ سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ارحم الراحمین سراپا کرم اور شفقت و رحمت ہے۔"

اللہ کی رحیمی بیان کرنے کے علاوہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کو الرحم الرّاحمین (۷: ۱۵۱) کہا گیا ہے یعنی تمام رحم کرنے والوں سے افضل اور اکمل رحم و کرم کرنے والا

Marfat.com

اور اُسے خیر الرّاحمین (۲۱ = ۸۳) کے لقب سے بھی یاد کرتا ہے جس کے معنی ہیں تمام رحم کرنے والوں میں بہترین رحم والا۔

'صحیح مسلم' میں حضرت نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیثِ قدسی نقل ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ روزِ حساب ایک انسان سے فرمائے گا :

'اے آدم کے بیٹے ! مَیں بیمار تھا اور تُو میری عیادت کے لیے نہ آیا' انسان جواب دے گا : 'اے پروردگار ! مَیں تیرے پاس کیسے آتا جبکہ تُو کُل کائنات کا مالک ہے'۔ اللہ فرمائے گا : 'میرا ایک بندہ جسے تُو جانتا تھا، بیمار تھا اور تُو اُسے دیکھنے نہ گیا ؟ کیا تُو نہیں جانتا کہ تُو اُس کی عیادت کے لیے جاتا تو مَیں وہاں موجود ہوتا ؟ اے آدم کے بیٹے ! مَیں نے تجھ سے کھانے کا سوال کیا اور تُو نے مجھے کھانا بھی نہیں دیا۔' وہ انسان جواب دے گا کہ اے رب ! مَیں تجھے کیسے کھانا کھلاتا جبکہ تُو کائنات کا مالک ہے۔ اللہ جل شانہٗ جواب دے گا 'کیا تجھے علم نہ تھا کہ میرا ایک بندہ بھُوکا تھا، جسے تُو نے کھانا نہ کھلایا۔ اگر تُو نے اُسے کھلا دیا ہوتا تو اِس کا صلہ تجھے مَیں اب دیتا۔' پھر حق سُبحانہٗ تعالیٰ فرمائے گا : 'اے آدم کے بیٹے ! مَیں پیاسا تھا اور تُو نے مجھے کچھ پینے کو نہ دیا۔' وہ بندہ کہے گا : 'اے رب ! مَیں تجھے پینے کو کیسے دیتا ؟ جبکہ تُو ہر شے پر قادر ہے'۔ اللہ تبارک تعالیٰ جواب دے گا کہ میرا ایک بندہ پیاسا تھا، اگر تُو نے اُسے کچھ پینے کو دیا ہوتا تو اس کا اجر تُو آج مجھ سے یہاں وصول کرتا۔'

اور یہ حدیثِ قدسی قرآن کی ان آیات اور احادیث سے مطابقت رکھتی ہے :

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝

(اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت (یعنی بارش کی برکت) کو پھیلا دیتا ہے اور وہ کارساز (اور) سزاوارِ تعریف ہے۔ **الشّوریٰ** (۴۲) : ۲۸)

ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہی تھا کہ وہ اس آیتِ مبارکہ پر ایمانِ کامل رکھتے تھے۔ ہر تنگی، ہر تکلیف میں اللہ ہی سے رجوع کرتے تھے کیونکہ وہی محافظ ہے اور اسی

Marfat.com

کو تمام تعریفیں زیب دیتی ہیں۔ اللہ سے لو لگا کر انہیں اطمینانِ قلب ہوتا اور وہ مشکلات کے عذاب سے نکل کر اللہ کی رحمت کے سائے میں آ جاتے۔ جو لوگ صرف اللہ کے لیے دوسروں کی بھلائی کے کام آتے ہیں، زندگی کے ہر قدم پر اللہ کا رحم و کرم ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت اُنہیں ڈھانپ لیتی ہے، اور زندگی کے ہر مرحلے پر اُن کی رہنمائی کرتی اور اُن کے ہم رکاب رہتی ہے۔ نیکیاں اور بھلائیاں کرنے میں پہل اُس کے پیغمبر اور رسول کرتے آئے ہیں اور قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں پیغمبروں اور رسولوں پر اللہ کی رحمت کا ذکر ہے، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے:

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ۚ وَ نَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝

(اور نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب (اس سے) پیشتر اُنہوں نے ہمیں پکارا تو ہم نے اُن کی دُعا قبول فرمائی اور اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے، اُن پر نصرت بخشی۔ وہ بیشک بُرے لوگ تھے سو ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا۔ الانبیاء (۲۱) ۷۶، ۷۷)

حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ کے حضور یوں دُعا کی:

وَ اَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ۚ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ ذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ ۝

(اور ایوب (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ مجھے ایذا ہو رہی ہے اور تُو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے تو ہم نے اُن کی دُعا قبول کر لی اور جو اُن کو تکلیف تھی وہ دُور کر دی اور اُن کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے اُن کے ساتھ اتنے ہی اور (بخشے) اور عبادت کرنے والوں کے لیے (یہ) نصیحت ہے۔ الانبیاء (۲۱): ۸۳-۸۴)

قرآن میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر یوں آتا ہے:

وَذَا النُّوۡنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّىۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۚ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنۡجِى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝

Marfat.com

(اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر غصّے کی حالت میں چل دیے اور خیال کیا کہ ہم اُن پر قابو نہیں پا سکیں گے آخر اندھیرے میں خدا کو پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تُو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے اُن کی دُعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔ الانبیاء (۲۱): ۸۷-۸۸)

حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا ہے:

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنتَ خَيْرُ الْوٰرِثِينَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِينَ ۝

(اور زکریا (کو یاد کرو) جب اُنھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تُو سب سے بہتر وارث ہے تو ہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُن کو یحییٰ بخشے اور اُن کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں اُمید و خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔ الانبیاء (۲۱): ۸۹-۹۰)

اسی طرح قرآنِ حکیم میں بہت سے پیغمبروں پر اللہ کی عنایات اور رحمتوں کا بیان ہے:

وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَّالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

(اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے ہُود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا۔ ھُود (۱۱): ۵۸)

فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

(جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے صالح کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو اپنی مہربانی سے بچا لیا۔ ھُود (۱۱): ۶۶)

وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

(اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا۔ ھُود (۱۱): ۹۴)

حق تو یہ ہے کہ ربِّ کریم کی عنایتیں ہر اُس شخص کے شاملِ حال ہوتی ہیں جو بھلائی

Marfat.com

اور نیکی کے کام کرتا ہے؛ چنانچہ ارشادِ ربّی ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو گا تو ہم اُس کو (دُنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) اُن کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ النّحل (۱۶): ۹۷)

اللہ جلّ و عُلا کی رحمت اور کرم اُن لوگوں کے شریکِ حال ہوتی ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں۔ یُوں وہ اُن کے دلوں سے رنج و غم دُور کر دیتا ہے اور دل کھول کر ان کی حاجت روائی کرتا ہے؛ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔

(اور جو کوئی خُدا سے ڈرے گا وہ اُس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کرے گا اور اُس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔ الطّلاق (۶۵): ۲-۳)

اللہ اپنے بندوں کو مایوسی سے ان الفاظ میں منع فرماتا ہے ؛

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝

(خدا کی رحمت سے مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔ الحجر (۱۵): ۵۶)

اللہ عزّ وجل انسانوں کا بُخل پسند نہیں کرتا۔ وہ چاہتا ہے کہ بندہ اپنا وہ مال جو اُسے عزیز ہو اُس کی راہ میں کھُلے ہاتھ سے خرچ کرے۔ ارشادِ باری ہے:

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

(کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (اُن کو) بند کر رکھتے اور انسان کا دل بہت تنگ ہے۔ بنی اسرائیل (۱۷): ۱۰۰)

کائنات پر غور کیجیے تو ہر طرف اللہ کی رحمت جلوہ فگن نظر آئے گی۔ ذیل کی آیات اس ضمن میں ملاحظہ ہوں :

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور (اس میں) اُس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ القصص (۲۸): ۷۳)

Marfat.com

وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝

(اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ اُن کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ الروم (۳۰) : ۲۱)

یاد رکھیے کہ اللہ کی عنایات و رحم و کرم کے کچھ قوانین اور ضابطے بھی ہیں جن کے بارے میں رسولِ کریمؐ نے فرمایا :

۱ ۔ اللہ رحیم اُن لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو خود رحم کھاتے ہیں۔

۲ ۔ اہلِ زمین پر مہربانی کرو تاکہ اللہ عرشِ بریں پر تم پر مہربانی فرمائے۔

۳ ۔ اگر تم کسی بھیڑ پر بھی مہربانی کرو گے تو اللہ تم پر مہربان ہو گا۔

۴ ۔ اگر کوئی مومن بھائی کسی دوسرے مومن بھائی کے کام آئے گا تو اللہ اس کے کام آئے گا۔

۵ ۔ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی تکلیف دُور کرے گا اللہ حشر کے دن اس کی تکلیفیں دُور فرمائے گا۔

۶ ۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا اللہ اس کی پردہ پوشی روزِ قیامت میں فرمائے گا۔

۷ ۔ اللہ اپنے بندے کی اُس وقت تک مدد کرے گا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا رہے گا۔

یہ چند قواعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "احکامِ رحمت" ہیں۔

ابھی تک ہم نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت بیان کی ہے جیسے وہ قرآنِ مبین اور احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ اب ہم حضورؐ کے عفو و کرم پر آتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین یعنی تمام عالم کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کسی خاص ملک، یا محض انسانوں کے لیے ہی رحمت قرار نہیں دیا بلکہ سارے جہانوں کے لیے رحمت

Marfat.com

قرار دیا ہے۔

سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو اس دُنیا کے لیے ایک ہدیہ، ایک انعام قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حضورؐ پر نازل کردہ تعلیمات کے ذریعے انسانیت پر کرم اور احسان فرمایا اور آپؐ کی ذات کو قابلِ تقلید یا اسوۂ حسنہ فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں فرشتے کے ذریعے پہلی وحی نازل ہُوئی تو حضورؐ کی رسالت کا آغاز ہوگیا۔ پہلی وحیٔ الٰہی یہ تھی :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ

(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو! جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اُس کو علم نہ تھا۔ العلق (۹۶): ۱-۵)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے نہایت گھبراہٹ کے عالم میں تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "مجھے کچھ اُڑھاؤ۔ کچھ اڑھاؤ"۔ جب آپؐ کی گھبراہٹ کم ہُوئی تو آپؐ نے پُورا واقعہ حضرت خدیجہؓ کو سُنایا اور کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ جس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا: "ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ رشتے داروں کا خیال رکھتے ہیں، دوسروں کا دُکھ درد بانٹتے ہیں اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ مہمانوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں اور مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

حضرت خدیجہؓ حضورؐ کو آپؐ کی شہرت سے اور پھر رشتۂ ازدواج کی وجہ سے خوب سمجھتی تھیں۔ اسی لیے جب حضورؐ نے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے تو حضرت خدیجہؓ نے فوراً کہا تھا کہ اللہ آپؐ کو کبھی رسوا نہ کرے گا اور اس کے لیے جو وجوہات بیان کیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ سراپا رحمت ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے جان لیا تھا کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں اور وہ ایسے شخص کو کبھی رسوا نہیں ہونے دیتا۔ حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کو سب سے بڑھ کر رحمت کی صفت سے متصف فرمایا اور کہا کہ آپؐ قرابت داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔

اسلام میں قرابت داروں میں سب سے پہلا درجہ ماں باپ کا ہے۔ قرآن میں ایک اللہ پر ایمان لانے کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کی کئی بار تاکید کی گئی ہے؛ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

(اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمہارے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور اُن سے بات ادب سے کرنا۔ اور عجز و نیاز سے اُن کے آگے جھکے رہو اور اُن کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار! جیسا اُنھوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی اُن کے (حال پر) رحمت فرما۔ بنی اسرائیل (۱۷): ۲۳-۲۴)

ایک دوسرے مقام پر اللہ نے دو انسانوں کا ماں باپ کے ساتھ سلوک اور نیکی و تقویٰ میں مقابلہ کیا ہے۔ ان میں سے پہلے گروہ کے لوگوں کے اعمالِ حسنہ کو قبولیت عطا فرمائے گا اور اُن کے گناہوں سے درگزر کرے گا۔ ارشادِ باری ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ړ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَـيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

(اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اُس کی ماں نے اُس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اُس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے توفیق

Marfat.com

دے کہ تُو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں، اُن کا شکر گزار ہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تُو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح (وتقویٰ) دے۔ مَیں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور مَیں فرمانبرداروں میں ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمالِ نیک ہم قبول کریں گے اور اُن کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے (اور یہی) اہلِ جنّت میں (ہوں گے)۔ (یہ) سچّا وعدہ (ہے) جو اُن سے کیا جاتا تھا۔
الاحقاف (۴۶):۱۵-۱۶)

اور دوسرے گروہ کے لوگوں کو، جن کا سلوک اپنے والدین سے اچھا نہیں تھا، خسارے میں رہنے والے فرمایا اور کہا:

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَھُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰہَ وَیْلَکَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّھُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ۝

(اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ اُف اُف! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ مَیں (زمین سے) نکالا جاؤں گا، حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں خدا کی جناب میں فریاد کرتے (ہوئے کہتے) تھے کہ کمبخت ایمان لا۔ خدا کا وعدہ سچا ہے تو کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں جنّوں اور انسانوں کی (دوسری) اُمتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں عذاب کا وعدہ تحقیق ہو گیا۔ بے شک وہ نقصان اُٹھانے والے تھے۔ (الاحقاف (۴۶):۱۷-۱۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بہت سی حدیثوں میں خونی رشتہ داروں سے نیک سلوک کی ہدایت ملتی ہے۔ مثلاً ایک مشہور حدیث یہ ہے:

"جب اللہ اپنی مخلوقات کی پیدائش سے فارغ ہُوا تو صلۂ رحمی (خونی رشتوں کے بندھنوں) نے کہا: "باری تعالیٰ! یہی وقت ہے کہ تجھ سے ان کے ٹوٹنے سے پناہ طلب کی جائے۔" تو اللہ جلّ وعلا نے فرمایا: "کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ جو کوئی ان رشتوں کو بندھا رکھے گا مَیں اس کو اپنے ساتھ باندھ لوں گا اور جو کوئی انہیں توڑے گا مَیں اُسے اپنے آپ سے کاٹ دوں گا۔" پھر ان رشتوں نے کہا: "اے ہمارے ربّ! ہم مطمئن

Marfat.com

ہو گئے ہیں"۔

پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اب ذرا اسے پڑھو!"

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۞ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۞

(تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور اُن (کے کانوں) کو بہرا اور (اُن کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ مُحمّد (۴۷): ۲۲-۲۳)

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی رحمت کی وُسعت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۞

(تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔ توبہ (۹): ۱۲۸)

قرآنِ مبین میں اللہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضوؐر اپنی امت کی ہدایت کے لیے کس قدر خواہشمند تھے اور آپؐ کو رات دن یہ فکر لاحق رہتی تھی کہ کہیں میری اُمت کا انجام کافروں اور منکروں جیسا نہ ہو۔

اللہ قرآن میں فرماتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۞

(اے پیغمبر) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم اُن کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔ الکہف (۱۸): ۶)

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیۂ مبارکہ:

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ"

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دین اور دُنیا دونوں کے معاملات میں رحمت تھے۔ دین کے معاملات میں

Marfat.com

وہ یُوں رحمت تھے کہ انہیں اُس وقت بھیجا گیا جب لوگ بُت پرستی، جہالت اور شرک کی دلدل میں پھنسے ہُوئے تھے۔ حد تو یہ تھی کہ اہلِ کتاب بھی اپنے دین کے بارے میں وہموں اور اُلجھنوں کا شکار تھے۔ اُن کے دین آئے بہت زمانہ گزر چکا تھا جس کی وجہ سے اُن میں اپنی مقدس کتابوں کی آیات کے معنوں اور مفہوم میں شدید اختلاف تھا۔

اللہ نے نبیِ آخر الزّمان صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُس وقت بھیجا جب اس دُنیا میں سچّائی اور حقانیت کے کسی متلاشی کی رہبری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ نیک اعمال، سچّائی اور حق شناسی کے کسی صلے کی اُسے توقع تھی۔ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں سچّائی کی طرف بُلایا اور اللہ کی طرف سے صلہ اور جزا پانے کا راستہ دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اعمالِ زندگی کے ضابطے اور قوانین مقرّر فرمائے اور حلال وحرام کی تمیز سکھائی۔ اگر کسی انسان کے دل میں حق کی طلب ہو تو وہ آپؐ کی رحمت اور کرم سے پورا فائدہ اُٹھائے گا اور باپ دادا کی اندھی تقلید، ہٹ دھرمی اور غرور کا شکار نہیں ہوگا۔

ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ

(کہہ دو کہ جو کوئی ایمان لاتے ہیں اُن کے لیے (قرآن) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لائے اُن کے کانوں میں گرانی (یعنی بہراپن) ہے اور یہ اُن کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔ گرانی کے سبب اُن کو (گویا) دُور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔ حٰمٓ السجدۃ (۴۱: ۴۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم دنیاوی معاملات میں بھی سراپا رحمت، سراپا کرم تھے کیونکہ آپؐ کے آنے سے لوگوں نے ذلّت اور خواری اور جنگوں اور جھگڑوں سے نجات پائی۔ اللہ نے انہیں عظیم فتح آپؐ ہی کے طفیل عطا فرمائی۔

صحیح مُسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم سے جب لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ اُن لوگوں کے حق میں بددعا کیجیے جو ایک اللہ کو نہیں ماننے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا: "میں بددعا کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

Marfat.com

اور صحیح البخاری میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "میں رحمت کے لیے بھیجا گیا ہوں، سزا کے طور پر نہیں"۔ حضورؐ ہر موقع پر مسلمانوں کو رحم و کرم کی تاکید اور ہدایت فرماتے۔ ایک مرتبہ 'ذات الرّقاع' کی جنگ سے لوٹنے والوں میں سے کوئی شخص چڑیا کا ایک بچّہ اُٹھا لایا۔ چڑیا بار بار اس شخص پر حملہ آور ہو رہی تھی جس سے سب کو حیرانی تھی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس موقع پر فرمایا:

"کیا تمہیں اس چڑیا کے جھپٹنے پر حیرت ہوئی؟ تم اس کا بچّہ پکڑ لائے ہو۔ چڑیا اپنے بچّے سے محبّت و شفقت کے جذبے سے مغلوب ہو کر تم پر جھپٹی ہے۔ اللہ کی قسم! ہمارا ربّ ہم سے اس چڑیا سے بھی زیادہ محبّت و شفقت رکھتا ہے۔"

ایک اور موقع پر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک عورت کو بڑی مامتا اور پیار سے اپنے بچّے کو گلے لگاتے ہُوئے دیکھا تو اپنے صحابہؓ کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا:

"کیا تم تصوّر کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچّے کو آگ میں پھینک سکتی ہے"؟ صحابہؓ نے عرض کی: "نہیں! اللہ کے رسولؐ، ہرگز نہیں"۔ اس پر حضور رحمت اللعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اللہ اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبّت فرماتا ہے جو اس عورت کو اپنے بچّے سے ہے۔"

ایک مرتبہ کسی 'بدّو' نے نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے نواسوں میں سے ایک کو پیار کرتے دیکھا تو کہا: "کیا آپ اپنے بچّوں کو پیار کرتے ہیں؟ میرے دس بچّے ہیں میں نے انہیں کبھی پیار نہیں کیا"۔ حضورِ اکرم نے اس بات کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہُوئے فرمایا: "اللہ اپنے اُن بندوں سے محبّت کرتا ہے جن کے دلوں میں رحم و شفقت ہوتی ہے۔"

حضورؐ کی شفقت اور رحمت انسانوں ہی کے لیے مخصوص نہیں تھی۔ آپؐ جانوروں کے ساتھ بھی انتہائی محبّت کا سلوک فرماتے۔ سیرتِ مبارکہ کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا

Marfat.com

ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ اپنے کسی صحابی کے باغ کی طرف سے گزرے جُوں ہی آپؐ اس میں داخل ہُوئے، آپؐ نے ایک اونٹ کو بُری طرح بلبلاتے دیکھا۔ اُس کے آنسو نکل رہے تھے۔ آپؐ اُس کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے اُس وقت تک تھپتھپاتے رہے جب تک کہ وہ خاموش نہیں ہو گیا۔ پھر آپؐ نے پُوچھا: "اس کا مالک کون ہے؟" ایک نوجوان آدمی نے کہا "یہ اُونٹ میرا ہے"۔ آپؐ نے اُس سے فرمایا: "اس جانور کے معاملے میں کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے؟ تم اسے بھُوکا رکھ کر اس سے محنت لیتے ہو!" وہ شخص شرمندہ ہو گیا اور آیندہ اُونٹ سے اچھا سلوک شروع کر دیا۔

ایک حدیث یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ کوئی عورت کسی بلّی کی وجہ سے جہنم کی مستحق ٹھہری کیونکہ اُس نے اُسے بھُوکا باندھ رکھا تھا اور اُسے شکار کرنے کی بھی اجازت نہ دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوجہاںؐ ایک ایسے اُونٹ کے سامنے سے گزرے جو اتنا لاغر تھا کہ اُس کا پیٹ اُس کی پیٹھ سے جالگا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: "ان بے زبان جانوروں کے معاملے میں اللہ سے ڈرا کرو۔ اُنھیں سواری کی خاطر اور ان کا گوشت کھانے کے لیے بہترین حالت میں رکھا کرو"۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص کسی کُنوئیں کے پاس آیا اور اس سے پانی پیا۔ وہیں ایک پیاسا کُتّا کھڑا تھا۔ اُس نے اُس کی حالت پر ترس کھاتے ہُوئے اپنا ایک جُوتا پیر سے اُتارا اور اس میں پانی بھر کر کُتّے کو دیا (حالانکہ اسلام کی رُو سے کُتّا نجس جانور ہے)۔ اللہ نے اس رحم دلی کے عوض اُسے جنّت دے دی"۔

ایک اور موقع پر آپؐ لوگوں کو رحم و شفقت کرنے اور دین میں اس کی اہمیت سمجھا رہے تھے کہ ایک صحابی نے کہا:

"اے اللہ کے رسول! ہم اپنی بیویوں، بچّوں اور رشتہ داروں کے ساتھ

Marfat.com

رحم اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "میری مُراد اس قسم کے رحم سے نہیں عالمگیر رحم سے ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ بیویوں، بچّوں اور رشتہ داروں سے رحمت قابلِ تعریف ہے اور اس کی تلقین خود رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائی مگر آپؐ کا منشا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس محبّت کو محدود نہیں ہونا چاہیے۔ اسے انسان کے اندر اس طرح رچ بس جانا چاہیے کہ وہ اس کی فطرت کا حصّہ بن جائے اور یہی مسلمان کی نشانی ہے۔

Marfat.com

باب ہفتم

مومنین اور کفّار

اس کتاب کے آغاز میں ہم نے مومنوں کے کچھ خصائص یعنی نشانیاں بیان کی تھیں جو قرآن میں آئی ہیں۔ اس باب میں ہم اُن لوگوں کے اطوار بیان کریں گے جو ایمان نہیں رکھتے، یعنی کافر ہیں۔ قرآنِ مجید نے بہت سی مثالیں اُن لوگوں کی دی ہیں جنہوں نے ایمان لانے سے مُنہ موڑ لیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سُنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں (اور ہفت پارچۂ علم شرائع سے مزیّن کیا) تو اس نے اُن کو اتار دیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کُتّے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو (اُن سے) یہ قصّہ

Marfat.com

بیان کردیتا کہ وہ فکر کریں۔ الاعراف (۷)؛ ۱۷۵-۱۷۶)

اللہ کی آیات (نشانیاں) انسانوں کے چاروں طرف بکھری ہوئی ہیں۔ آسمان، زمین، اشجار، دریا، پہاڑ، سمندر، ستارے اور کہکشاں یہ سب اس خالقِ عظیم کی نشانیاں ہی تو ہیں۔ انسان کہیں ہو، کیسے ہی ماحول میں ہو، اُس کے رب کی یہ بے عیب و نقص تخلیقات اسے مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنے رب کی طاقت و عظمت کے آگے سر جھکائے لیکن کچھ بدنصیب ایسے بھی ہیں جو ان عظیم نشانیوں کو منہ پھیر کر جھٹک دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے ربِّ عظیم ہونے کا اقرار پوری طرح نہیں کرتے جبکہ اس خالقِ اکبر کی نشانیاں تو اُن کی جلد سے پیوستہ ہیں۔ وہ اپنے خودساختہ باغیانہ طریقوں سے اُنہیں جھٹک کر پرے کر دیتے ہیں۔ اُن کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی دیکھیے کہ انسان کی پیدائش کی صورتحال پر بھی توجہ نہیں دیتے۔ ان کا یہ انکار اشیاء کی قدرتی ترتیب کے بھی خلاف ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی بندگی کرنے والوں یعنی ایمان والوں سے خود کو علیحدہ کر لیا ہے اور شیطان کے پیروکاروں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ بہت جلد شیطان کے بہکانے میں آجاتے ہیں جو انہیں اپنی چکنی پھیریوں میں ڈال کر گمراہ کر دیتا ہے۔ دُنیا اور نفسیاتی خواہشات نے انہیں بُری طرح جکڑ لیا ہے۔ ان کی مثال اُس کُتے کی سی ہے جس کی زبان برابر لپلپاتی رہتی ہے؛ خواہ اُسے بھگایا جائے یا چھوڑ دیا جائے۔ اس قسم کے لوگوں کو زندگی میں کبھی استحکام اور مضبوطی میسر نہیں آتی۔ اللہ کریم انہیں کیسی بھی نعمتیں کیوں نہ دے یہ ہمیشہ اُس سے شاکی رہتے ہیں کیونکہ وہ ان روحانی حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں جو انسان کو اطمینان اور قناعت بخشتے ہیں۔

کسی بھی حریص شخص کو صرف مادی اشیاء اور دھن دولت سے کبھی قناعت میسر نہیں آتی خواہ اُن کے پاس اس کے پہاڑ ہی کیوں نہ ہوں۔ پیغمبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی آدم زاد کے قبضے میں سونے کے ذخائر سے پُر پوری ایک وادی بھی ہو تو وہ دوسری وادی کی جستجو میں مبتلا ہو جائے گا اور اگر اُس کے پاس دو وادیاں

Marfat.com

آجائیں تو وہ تیسری کے حصول میں سرگرداں ہو جائے گا۔" اللہ عزّوجل جب اپنی عنایات روک دیتا ہے تو ایسے اشخاص بے حال ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ بھی ہمیشہ مشکلات کا شکار رہتے ہیں جو اپنی خواہشات کے غلام ہو جاتے ہیں اور اس رہبرِ کامل کی طرف نظریں نہیں جماتے جو انہیں اطمینان اور قناعت کی دولت عطا کر سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اُن کی خواہشات کی حد ہوتی ہے نہ انتہا۔ وہ کسی حالت پر ٹھہرنا مناسب ہی نہیں سمجھتے۔ قرآن میں ایسے ہی کافروں سے ایمان والوں کو ہوشیار کیا گیا ہے:

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔ اور کسی ایسے شخص کے کہنے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے۔ طعن آمیز اشارتیں کرنے والا چغلیاں لیے پھرنے والا۔ مال میں بخل کرنیوالا حد سے بڑھا ہوا بدکار۔ سخت خُو اور اس کے علاوہ بدذات ہے۔ اس سبب سے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہم عنقریب اُس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔ القلم (۶۸): ۹ - ۱۶)

یہ ہیں کچھ علامات کافروں یعنی بے یقین لوگوں کی۔ کُفر یا باطل پرستی کے سبب کسی شخص میں یہ سب علامتیں بیک وقت بھی جمع ہو سکتی ہیں اور الگ الگ بھی۔ ان لوگوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ ایک دوسرے گروہ کا ذکر فرماتا ہے جو ایمان کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ کہانی پُرانی بھی ہے اور نئی بھی۔ جس طرح قدیم زمانے میں ایسے لوگ موجود تھے، اسی طرح آج بھی، ہمارے اپنے زمانے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ اس قرآنی کہانی کا خلاصہ یہ ہے۔

کسی آدمی کے بیٹوں کو اپنے باپ کے ورثے میں پھلوں کا ایک سرسبز باغ ملا جس کے درختوں پر پکے ہوئے پھل بہار دکھا رہے تھے۔ باغ کیا تھا بہشت کا نمونہ تھا۔

Marfat.com

جب فصل اُٹھانے کا وقت آیا تو اُنھوں نے عہد کیا کہ وہ پوری فصل اپنے استعمال کے لیے رکھیں گے اور اس میں سے غریبوں اور حاجت مندوں کو کچھ بھی بھی نہ دیں گے۔ شیطان اور اُن کے اپنے ذلیل ارادوں نے ان کے اس خیال کو مضبوط کر دیا کہ غریبوں، محتاجوں کے مقابلے میں باغ کے ایک ایک پھل پر ان کا حق زیادہ ہے کیونکہ ان کے خاندان بڑے تھے اور لواحقین بھی زیادہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مستقبل کے لیے بھی کچھ بچا رکھیں، اس لیے اُنھوں نے طے کر لیا کہ کسی ضرورتمند یا غریب تک اس کا ایک دانہ بھی نہ پہنچنے دیں گے۔ ان میں سے ایک نیک دل شخص نے اُنہیں آگاہ کیا کہ فصل پر اللہ کا مقرر کردہ حق ادا کرنا چاہیے (یعنی اس کا کچھ حصّہ اللہ کے نام پر دینا چاہیے) لیکن اُنھوں نے اُسے بُرا بھلا کہا اور اس نیک شخص کے الفاظ اُن کے دلوں میں ذرا بھی نرمی پیدا نہ کر سکے۔ اُن لوگوں نے اپنے منصوبے بنائے، اللہ نے اپنا منصوبہ بنایا؛ چنانچہ وہ سو رہے تھے کہ ایک بگولا آیا اور سب کچھ جلا کر خاکستر کر گیا۔

صُبح کو ان منصوبہ سازوں نے ایک دوسرے کو جگایا اور چپکے چپکے باغ میں یہ کانا پھُوسی کرتے پہنچے کہ آج کوئی فقیر ہمارے باغ میں قدم نہ رکھنے پائے۔ جب وہ باغ میں داخل ہُوئے تو اچنبھے میں پڑ گئے۔ اُنہیں خیال ہُوا کہ وہ راستہ بھُول کر کسی اور باغ میں نکل آئے ہیں۔ پھر جب اُنھوں نے تسلّی کر لی کہ نہیں یہ تو اُنھی کا باغ ہے تو وہ سکتے میں آ گئے۔ یہ ایک سخت سبق تھا اور اس نازک موقع پر وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اُس نیکوکار شخص نے انہیں یاد دلایا: "کیا میں نے تمہیں آگاہ نہیں کیا تھا کہ اللہ کا شکر کرو"۔ انھوں نے کہا: "بیشک تمام ستائش اللہ کے لیے ہے۔ ہم غلطی پر تھے"۔ پھر وہ ایک دوسرے کو الزام دینے لگے۔ حالات کی تبدیلی نے اُنھیں اچھا سبق دیا تھا اور اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ ہاتھ ملتے تھے اور کہتے تھے: "ہم پر لعنت ہو ہم نے بڑا ظلم کیا"۔ پھر اُنھوں نے سچے دل سے توبہ کی اور اللہ کی طرف خلوص سے رجوع کیا۔ (مفہوم)

Marfat.com

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ

مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ

اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ وَّغَدَوْا عَلٰى

حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝

(ہم نے اُن لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی ۔جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہوتے ہم اس کا میوہ توڑ لیں گے اور اِن شاء اللہ نہ کہا ۔سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اُس پر ایک آفت پھر گئی ۔تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہُوئی کھیتی ۔جب صبح ہُوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو ۔ تو وہ چل پڑے اور آپس میں چُپکے چُپکے کہتے جاتے تھے کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر) قادر (ہیں) جب باغ کو (ویران) دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں ۔نہیں بلکہ ہم (برگشتہ بخت) بے نصیب ہیں۔ ایک جو اُن میں فرزانہ تھا بولا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے ؟ (تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بیشک ہم ہی قصوروار تھے ۔پھر لگے ایک دوسرے کو رُو در رُو ملامت کرنے ۔کہنے لگے ہائے شامت ! ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے ۔امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے ۔ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع لاتے ہیں ۔ القلم ۔(۶۸) :۱۷-۳۲)

اللہ تعالیٰ کبھی لوگوں کو ابتلا سے سبق دیتا ہے اور کبھی انعام و عنایات کی بھرمار کر کے ان کا امتحان لیتا ہے ۔کوئی بھی سچا مومن خوشحالی پر نازاں ہوتا ہے نہ غرور کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہی وقت اپنے رب کو راضی رکھنے کا ہے ۔وہ دکھ تکلیف اور نقصان میں رنجیدہ اور دل گرفتہ نہیں ہوتا کیونکہ صبر اللہ کو پسند ہے ۔ دولت آنی جانی شے ہے ۔ہمیں اپنے نفس کو اس سے بلند رکھنا چاہیے اور خود کو سونے

Marfat.com

چاندی کا غلام نہیں بننے دینا چاہیے۔ ہمیں زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے اور اپنی دولت خدا کی راہ میں خرچ کرنی چاہیے۔

ابو واقد اللیثی کہتے ہیں:

"جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر کوئی نئی وحی نازل ہوتی تو ہم سب آپؐ کے پاس حاضر ہوتے اور اُسے آپؐ سے سیکھتے۔ ایک دن جب میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو آپؐ نے حدیث قدسی بیان کی کہ اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے کہ ہم دولت و مال اس لیے اُتارتے ہیں کہ نماز قائم کی جائے اور زکوٰۃ دی جائے۔ اگر فرزندِ آدم کے پاس سونے کے ذخائر سے پُر ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی لینا چاہے گا۔ اور اگر اُسے دوسری وے دی جائے تو وہ تیسری کی طلب کرے گا۔ سوائے خاک کے کوئی چیز اس کا پیٹ نہیں بھر سکتی۔ اللہ انہیں قبول فرماتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ دو خصائص کو پسند اور دو سے نفرت کرتا ہے۔ اللہ اچھے اخلاق اور سخاوت کو پسند کرتا ہے اور بدکردار اور کنجوس لوگوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اگر اللہ کو کسی کی بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اُسے حاجت روائی کے کام پر لگا دیتا ہے۔"

اللہ نے باغ والوں کی جو داستان بیان کی ہے اس میں ایمان کے ساتھ کنجوسی کی کشمکش ہے۔ باغ کے وارثوں کے دلوں میں کنجوسی نے گھر کر لیا تھا۔ انہیں اپنے کیے کی جو سزا ملی اس میں بھی ایک رحمت تھی کیونکہ اس سزا ہی نے ان کے دلوں میں ندامت اور شرم پیدا کی اور اُنہوں نے توبہ کی اور وہ ایمان لائے۔

ایک اور کافر کی مثال اللہ نے قرآن میں دی ہے۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا فرد تھا۔ وہ مصر میں پلا بڑھا۔ اللہ نے اُسے بے اندازہ دولت بخشی، خوشحال زندگی کی سب نعمتیں عطا کیں اور مال کے ساتھ ساتھ اُسے مضبوط جسم بھی عطا کیا۔ اُس کا چہرہ صحت مندی سے دمکتا تھا۔ وہ بڑا خوش گفتار تھا اور اپنی باتوں سے لوگوں کے

Marfat.com

دل لبھاتا تھا۔

قاعدے سے اُسے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا اور اپنی دولت کو اچھے کاموں میں صرف کرنا چاہیے تھا مگر وہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کی خواہش میں مبتلا رہتا تھا۔ وہ اپنے ہم قوموں کی طرف نظر ڈالتا تو اُسے ان میں کوئی بھی اس قابل نظر نہ آتا جو اُسے حکمران بننے میں مدد دے سکتا، اس لیے اُس نے خود کو اپنی برادری اور قوم سے علیحدہ کر لیا اور فرعون کا خوشامدی بن گیا۔ کچھ دن بعد فرعون نے اُسے اپنا مصاحب بنا لیا۔ اب دولت کے ساتھ بادشاہ کا دیا ہوا اثر و رسوخ بھی میسر آ گیا۔ اس اعزاز نے اُسے حد سے زیادہ مغرور بنا دیا اور اس کے دل میں یہ یقین بیٹھ گیا کہ خوشی صرف دولت اور فرعون کی دربارداری سے میسر آتی ہے۔

ایک دن وہ فرعون و ہامان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغام کے ساتھ وہاں پہنچے؛ چنانچہ اسی واقعے کا ذکر قرآن کی اس آیۂ مبارکہ میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝

(اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا۔ **مومن** - (۴۰) : ۲۳-۲۴)۔

قارون نے حق و صداقت اور خونی رشتوں کو ٹھکرا کر محض اس لیے فرعون کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی کہ اُس کا مال و دولت اور اقتدار محفوظ رہے۔ اس نے کھُلم کھُلا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذمت بھی شروع کر دی۔ اُس نے بنی اسرائیل پر فرعون کے ظلم و ستم کی بھی حمایت کی کہ اُن کی اولادِ نرینہ کو قتل کر دے اور عورتوں کو زندہ رکھے۔

جب فرعون نے کہا کہ میں موسیٰؑ کو قتل کر دوں گا تو قارون نے خدا کے نبی کی حمایت میں کوئی آواز بلند نہ کی بلکہ ایک صاحب ایمان نے حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دیا جس کا قصّہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

یہ دیکھ کر کہ دولت و اقتدار نے قارون کو گمراہ کر دیا ہے، کچھ نیکوکار لوگوں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ دولت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ تم عیش و عشرت میں بسر کرو۔

Marfat.com

تم اسے اللہ کی راہ میں صَرف کرو اور اپنی عاقبت سنوارو۔ اُنھوں نے اُسے جو نصیحت کی وہ تمام مالداروں کے لیے کار آمد ہے۔ اُنھوں نے کہا:

"تمہیں اپنی دولت پر ناز ہے۔ تم اس کی وجہ سے تکبر کرتے ہو اور اسے پاکر خوش ہو۔ دولت صرف اُس وقت تک باعثِ راحت ہے جب تک وہ نیکی کے فروغ کا ذریعہ ہو۔ محض کثرتِ مال سے نہ اتراؤ کیونکہ اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں۔ خُدا کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ اس دُنیا میں اپنا حصّہ حاصل کرو لیکن خُدا کو یاد رکھو اور اُس دن کے لیے توشہ جمع کرو جب دولت اور اولاد کسی کام نہ آئے گی اور جب صرف قلبِ سلیم ہی کام آئے گا۔ دوسروں پر مہربانی کرو جس طرح خُدا تم پر مہربان ہے۔ اپنی دولت سے زکوٰۃ ادا کرو اور حاجت مندوں کی مدد کرو۔ اپنی طاقت کو کمزوروں کی پشت پناہ بناؤ اور اپنے اقتدار سے مظلوموں کے دُکھوں کا مداوا کرو۔ خُدا کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ کیونکہ اللہ کو مفسدہ پرداز لوگ پسند نہیں۔"

مگر قارون نے اُن کی باتوں کا مذاق اڑایا اور کہا:

"مجھے یہ دولت اپنے علم و عقل، بہترین سمجھ بوجھ اور صلاحیت سے ملی ہے جس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا۔" اس طرح اس نے اللہ کی مہربانی اور عنایت کا صاف لفظوں میں انکار کیا۔ دولت اور لفاظی کے نشے میں وہ اُن سچے واقعات کو بھول گیا جس میں بتایا گیا ہے کہ خُدا نے قارون سے بھی زیادہ صاحبِ اقتدار لوگوں کو نیست و نابود کر دیا جو اللہ سے نہیں ڈرتے تھے اور جو دولت، طاقت یا اقتدار کی عنایاتِ خداوندی کو اس کی رضا کے مطابق خرچ نہیں کرتے تھے۔

قارون نے نیک دل لوگوں پر سخت لعن طعن کیا اور اُن کو دھمکیاں دیں۔ سونے چاندی میں لدا ہُوا اور دائیں بائیں حقارت سے نظر ڈالتا ہُوا چلتا۔ دُنیا دار لوگ اُس سے مرعوب ہوتے اور اُسے دیکھ کر کہتے کاش! ہمیں بھی اس جیسی دولت نصیب ہوتی! کیا ہی دولت مند انسان ہے! جو لوگ نیکوکار تھے وہ اس پر لعنت بھیجتے کہ اس دولت سے کیا فائدہ! ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی اللہ کی طرف سے سب سے بڑا اجر ہے"۔

Marfat.com

اللہ نے جو نظامِ کار اپنے بندوں کے لیے بنایا ہے وہ ہمیشہ درست ثابت ہوتا ہے اور اس موقع پر جو قانون ہمارے پیشِ نظر ہے وہ یُوں ہے :

اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ، اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ

(جب زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اس کو کاٹ کر ایسا کر ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ یونس (۱۰:۲۴)

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝

(اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہُوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا بنی اسرائیل (۱۷:۱۶)

اگر زمین پر شہروں اور قریوں کے لیے اللہ کا قانون یہ ہے تو قارون اور اس کے مماثل لوگوں کے حشر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے :

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝

(پس ہم نے قارون کو اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ تو خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوسکی اور نہ وہ خود کو بچا سکا۔ القصص (۲۸:۸۱)

جب ان لوگوں نے جو قارون کے مال و دولت کو رشک کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، اس کا انجام دیکھا تو پکار اُٹھے : "بے شک اللہ جسے چاہے اُسے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر مہربان نہ ہوتا تو شاید ہمیں بھی قارون کی طرح زمین میں دفن کر دیتا۔ دیکھ لو! کافر کبھی فلاح نہیں پاتے"۔

اس میں جو سبق ہے وہ قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

(وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم

Marfat.com

اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں ہی کا ہے۔ القصص (۲۸):۸۳)

کافروں اور بے یقین لوگوں کی مثالوں کے بعد اب ذرا ان لوگوں کی مثالوں پر آئیے جو اللہ کے قانون کا احترام کرنے والے نیک بندے تھے۔ قارون کی دولت کا مقابلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد کے مسلمانوں کی ثروت سے کیجیے۔ ایک امیر کبیر شخص عبدالرحمان بن عوفؓ تھے۔ وہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ ایک موقع پر اُنھوں نے اہلِ مدینہ کو سازوسامان سے لدے ہُوئے پانچ سو اُونٹ عطا کر دیے تھے۔ دولت صرف اسی صورت میں ابتلا ہے جب اللہ کے حقوق پُورے نہ کیے جائیں۔ اسی طرح انسان کی اولاد بھی امتحان بن سکتی ہے اگر اُن کے والدین نے انہیں اچھی تعلیم دینے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہیں کیے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کی کتابوں میں یہ روشن واقعہ درج ہے کہ جب حضورؐ دین کی تبلیغ کر رہے تھے تو قبیلہ قریش کے معزز لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ابوطالب کے پاس آئے جنہوں نے حضورؐ کی پرورش کی تھی اور اُنھوں نے کہا:

"آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو روکیں مگر آپ نے توجہ نہیں دی۔ ہم سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمیں بُتوں کی پرستش سے روکیں۔ ہمارے رسم و رواج کو بُرا بھلا کہیں اور ہمارے آباؤاجداد کی تحقیر کریں۔ آپ نے انہیں نہ روکا تو ہم آپ دونوں سے اُس وقت تک لڑیں گے جب تک ایک فریق ختم نہیں ہو جاتا۔" اس پختہ عزم کے ساتھ وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ ابوطالب اپنے قبیلے کی مخاصمت سے سخت پریشان تھے مگر وہ رسولؐ اللہ کو چھوڑ سکتے تھے نہ دشمنوں کے حوالے کر سکتے تھے۔ گہرے غور و فکر کے بعد اُنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے منصوبے سے آگاہ کرتے ہُوئے کہا:

"بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میرے کندھے اُٹھا نہ سکیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا کہ آپؐ کے چچا ان کی حمایت سے دستبردار ہو رہے ہیں اور آپؐ کی حفاظت اُن کے لیے دشوار ہو گئی ہے۔ آپؐ نے کچھ دیر سوچا

Marfat.com

کہ چچا کی مدد کے بغیر زندگی کیسے گزرے گی، اچانک اللہ پر اعتماد بڑھ گیا اور آپؐ کو نصرتِ الٰہی کا پہلے ہی یقین تھا۔ آپؐ نے چچا سے کہا:

"اللہ کی قسم! چچا، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے تفویض کردہ منصب سے باز نہیں آسکتا تاآنکہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیاب کرے یا میں اس کے راستے میں مٹ جاؤں"۔ اللہ پر ایمانِ کامل کے ساتھ حضورؐ جب اُٹھ کر جانے لگے تو ابو طالب نے انہیں آواز دے کر بلایا اور کہا:

"بھتیجے! تم جو چاہو کرو، خدا کی قسم! میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا"۔

مومنوں کی اخلاقی جرأت کا صحیح اظہار اُس وقت ہوتا ہے جب انہیں مزاحمت پیش آتی ہے۔ حضورؐ کی سیرت کا صرف یہی ایک واقعہ نہیں، بلکہ یہ تو ایک مثال ہے جس سے آپؐ کے پختہ کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ قریش کا ایک سردار عتبہ بن ربیعہ قریش کے دوسرے سرداروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ رسول اللہؐ ایک طرف تنہا کعبۃ اللہ میں بیٹھے تھے۔ عتبہ نے سرداروں سے کہا: "بھلا تم اگر اجازت دو تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں اور انہیں ایسی پیشکش کروں جسے وہ مان لیں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں؟"

یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اسلام لے آئے تھے اور قریش نے بھانپ لیا تھا کہ اسلام کے پیروؤں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے! چنانچہ سردارانِ قریش نے عتبہ کو اجازت دے دی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پاس بیٹھ کر کہنے لگا: "بھتیجے! تم ہمارے معززین میں سے ہو اور تمہارا خاندان بھی اُونچا اور اعلیٰ ہے۔ تم نے ایسی سنگین صورتِ حال پیدا کر دی ہے کہ پورا قبیلہ بٹ کر رہ گیا ہے۔ تم اُن کے بتوں کا مذاق اُڑاتے ہو اور اُن کے طور طریقوں کو بُرا بھلا کہتے ہو اور اُن کے باپ دادا کو کافر کہتے ہو، اب ذرا میری پیشکش سُنو۔ شاید تمہیں پسند آجائے"۔

حضور علیہ السلام نے کہا: "سُناؤ!"

Marfat.com

عُتبہ نے کہا: "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تمہیں دولت چاہیے تو ہم اپنی قوم سے جمع کر کے تمہیں اس قدر دے سکتے ہیں کہ تم امیر ترین آدمی کہلاؤ۔ اگر تمہیں حکومت چاہیے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔ اگر تمہارے اُوپر کسی رُوح کا سایہ ہے تو ہم تمہارے علاج کے لیے بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہیں۔"

نبی کریمؐ نے اُس کی باتیں سُن کر کہا: "اچھا! اب میری بات سُنو!" اور پھر آپؐ نے اِن آیات کی تلاوت شروع کر دی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا
عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ
مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَآ
اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِ
كِيْنَ ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ
لَهٗٓ اَنْدَادًا ۗ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ
اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۗ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا
وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۗ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۗ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۗ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ
الْعَلِيْمِ ○ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ○ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ
مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۗ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۗ اَوَلَمْ
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا
صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى
وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ
فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۗ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ
ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ

Marfat.com

الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ
فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ حٰمٓ۔ یہ کتاب (خدائے) رحمٰن ورحیم (کی طرف سے) اتری ہے۔ (ایسی) کتاب جس کی آیتیں واضح (المعانی) ہیں (یعنی) قرآن عربی اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ جو بشارت بھی سُناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے لیکن اُن میں سے اکثروں نے مُنہ پھیر لیا اور وہ سُنتے ہی نہیں۔ اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بُلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن ہے) اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے تو تم (اپنا) کام کرو ہم (اپنا) کام کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (ہاں) مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے تو سیدھے اُسی کی طرف متوجہ رہو اور اُسی سے مغفرت مانگو۔ اور مشرکوں پر افسوس ہے۔ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے قائل بھی نہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اُن کے لیے (ایسا) ثواب ہے جو ختم ہی نہ ہو۔ کہو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ اور (بتوں کو) اس کا مدِمقابل بناتے ہو۔ وہی تو سارے جہان کا مالک ہے۔ اور اسی نے زمین میں اُس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سامانِ معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں (اور تمام) طلبگاروں کے لیے یکساں۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دُھواں تھا تو اُس نے اُس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو دن میں سات آسمان بنائے۔ اور ہر آسمان میں اُس کے کام کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمانِ دُنیا کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے مزین کیا۔ اور شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کیے ہُوئے) اندازے ہیں۔ پھر اگر یہ مُنہ پھیر لیں تو کہہ دو کہ میں تم کو (ایسی) چنگھاڑ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہُوں جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ کا عذاب آیا تھا) جب ان کے پاس پیغمبر اُن کے آگے اور پیچھے سے آئے کہ خدا کے سوا (کسی کی) عبادت نہ کرو۔ کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے اُتار دیتا۔ سو جو تم دے کر بھیجے گئے ہو، ہم اُس کو نہیں مانتے۔ جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوّت میں کون ہے؟ کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ خُدا جس نے اُن کو پیدا کیا وہ اُن سے قوّت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔ تو ہم نے بھی اُن پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی تاکہ اُن کو دنیا کی زندگی

Marfat.com

میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اُس روز) اُن کو مدد بھی نہ ملے گی۔ اور جو ثمود تھے اُن کو ہم نے سیدھا رستہ دکھایا تھا مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا تو اُن کے اعمال کی سزا میں کڑک نے اُن کو آپکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا۔ اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے اُن کو ہم نے بچا لیا۔ اور جس دن وہ خدا کے دشمن دوزخ کی طرف چلائے جائیں گے تو ترتیب وار کر لیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (یعنی دوسرے اعضاء) اُن کے خلاف اُن کے اعمال کی شہادت دیں گے۔ اور وہ اپنے چمڑوں (یعنی اعضاء) سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی؟ وہ کہیں گے کہ جس خدا نے سب چیزوں کو نطق بخشا اُسی نے ہم کو بھی گویائی دی اور اُسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اُسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ اور تم اس (بات کے خوف) سے تو پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور چمڑے تمہارے خلاف شہادت دیں گے بلکہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ خدا کو تمہارے بہت سے عملوں کی خبر ہی نہیں۔ اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے، تم کو ہلاک کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں ہو گئے۔ اب اگر یہ صبر کریں گے تو اُن کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے اور اگر توبہ کریں گے تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے (شیطانوں کو) اُن کا ہمنشین مقرر کر دیا تھا تو انہوں نے اگلے اور پچھلے اعمال اُن کو عمدہ کر دکھائے تھے اور جنات اور انسانوں کی جماعتیں جو اُن سے پہلے گزر چکیں اُن پر بھی خدا (کے عذاب) کا وعدہ پورا ہو گیا۔ بے شک یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کرو تاکہ تم غالب رہو۔ سو ہم بھی کافروں کو سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے اور اُن کے بُرے عملوں کی جو وہ کرتے تھے، سزا دیں گے۔

حٰمٓ السجدۃ (۴۱): ۱-۲۷)

عُتبہ اپنے ہاتھ کمر پر باندھے، خاموشی سے سنتا رہا حتّٰی کہ آپؐ ستائیسویں آیت کے اختتام پر، جہاں سجدے کا حکم ہے، پہنچے تو آپؐ سجدے میں گر گئے۔ جب آپؐ نے سر اٹھایا تو آپؐ نے فرمایا: "تم نے جو سُنا، سُن لیا۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

عُتبہ جب لوٹ کر قریش کے سرداروں کے پاس گیا تو اُس کے ساتھیوں نے

Marfat.com

نے محسوس کیا کہ وہ ایک بدلا ہُوا انسان ہے۔ اُن لوگوں نے کہا تمہیں کیا ہُوا؟ تو اُس نے کہا:

"مَیں نے وہ کلام سُنا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سُنا تھا۔ یہ شاعری ہے، جادو ہے نہ کہانت۔ میری مانو تو محمدؐ کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ خُدا کی قسم! جو کچھ میں نے سُنا ہے وہ بہت دُور تک پھیلے گا اور اس کی داستان دہرائی جائے گی۔ اگر دوسرے عرب اُنہیں قتل کر دیتے ہیں تو تمہیں ان سے نجات مل جائے گی اور اگر وہ اُنہیں اعزاز دیتے ہیں تو اُن کی عزّت تمہاری عزّت ہو گی۔ اُن کی قُوّت تمہاری قُوّت ہو گی اور اس کی خوشحالی تمہاری خوشحالی ہو گی۔"

سرداران قریش نے کہا: "عُتبہ! تم پر محمدؐ نے جادو کر دیا ہے۔"

عُتبہ نے کہا: "مَیں نے جو کہنا تھا، کہہ دیا، آگے تمہیں اختیار ہے جو چاہو سو کرو۔"

دیکھیے، دولت، حکومت، اقتدار، کوئی بھی ترغیب حضورؐ کے پائے استقامت کو متزلزل نہ کر سکی۔ آپؐ چٹان کی طرح اپنے عزم پر ڈٹے رہے۔

حضورِ اکرمؐ کے صحابہ بھی ایمان کی پختگی میں مینارۂ نُور تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے میں قریش کے تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لیے پہنچے کیونکہ قریش نے مکّہ میں مسلمانوں کی جائدادیں ضبط کر لی تھیں۔ قریش بھی اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے آن پہنچے۔ حضورِ اکرمؐ نے اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے تقریر کی۔ پھر مقدادؓ ابنِ عمرو نے اُٹھ کر کہا:

"اے اللہ کے رسول، آپؐ نے اللہ کے حکم سے جہاں جانے کی نیّت کی ہے، ضرور جائیے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپؐ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ:

"اے موسیٰ! جاؤ، تم اور تمہارا خُدا جا کر لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں"۔ ہم اس کے بجائے یہ کہیں گے آپؐ اور آپؐ کے ربّ کے ساتھ ہم بھی دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ قسم اللہ کی! جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ اگر آپؐ ہمیں بَرکِ الغماد تک جانے کو

Marfat.com

بھی کہیں گے تو ہم جان دے کر آپؐ کو وہاں تک پہنچائیں گے"۔

رسول اللہؐ نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور اُن کے لیے دُعا فرمائی۔ اب تک آپؐ نے اس مسئلے پر انصار کی کوئی رائے نہیں سُنی تھی تو آپؐ نے انصار کو مخاطب کر کے کہا:

"تم لوگ مجھے اپنی رائے سے مطلع کرو"۔ ہجرت سے قبل، بیعت العقبہ کے موقع پر انصار نے کہا تھا کہ "جب تک آپؐ ہمارے پاس نہیں آجاتے ہم آپؐ کی ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتے لیکن آپؐ کے آنے کے بعد ہم اپنے بیوی بچوں سے بڑھ کر آپؐ کی حفاظت کریں گے"۔ رسول اللہؐ کو خدشہ تھا کہ انصار شاید صرف اس صورت میں مدد کریں جب خود مدینہ پر حملہ ہو اور مدینہ سے باہر شاید حملہ روکنے میں مدد نہ کریں۔ اس لیے سعد ابنِ معاذ نے اُٹھ کر کہا:

"اللہ کے رسولؐ! آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟" آپؐ نے کہا: "ہاں" سعد نے کہا:

"ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ آپؐ نے فرمایا اُسے حق سمجھا ہے۔ ہم آپؐ کے ساتھ اپنی وفاداری کا عہد کر چکے ہیں۔ ہم نے آپؐ کی بات سُنی اور اطاعت کی۔ آپ جہاں جائیں گے، ہم آپؐ کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ کی قسم! اگر آپؐ ہمیں سمندر کی طرف لے جا کر اُس میں چھلانگ لگانے کو کہیں گے تو ہم اس میں بھی آپؐ کے ساتھ ہوں گے۔ کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں آپؐ کے اس خیال سے کوئی فکر لاحق نہیں کہ کل آپؐ ہمیں دشمنوں کے مقابل کھڑا کریں گے۔ ہم جنگ میں ثابت قدم ہیں اور لڑنے میں قابلِ اعتماد۔ اللہ آپؐ پر ہماری وہ تمام خصوصیات ظاہر کر دے جس سے آپ خوش ہوں۔ پس آپؐ اللہ کی تائید و نصرت سے ہمارے ساتھ چلیں"۔

حضور اکرمؐ کو، سعدؓ کے الفاظ سُن کر بہت خوشی ہوئی۔ آپؐ کو حوصلہ ملا اور آپؐ نے فرمایا: "بڑھو! اور تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ نے مجھ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے (یعنی یا قافلہ ملے گا یا قریش پر فتح حاصل ہوگی) اللہ کی قسم! میں قریش کے مقتل کو دیکھ رہا ہوں"۔

Marfat.com

اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کا لشکر آگے بڑھا اور فتح سے ہمکنار ہُوا۔

اللہ نے ایمان والوں کی ایک اور تصویر دکھائی ہے۔ قرآن میں ایک سے زیادہ مرتبہ سچے مسلمانوں کی مثال پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ مسلمانوں کے لیے ایک بہترین سبق ہے اور حوصلہ افزا بات ہے۔ یہ اُن جادوگروں کی کہانی ہے جنہیں فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے معجزے کے توڑ کے لیے بُلایا تھا، لیکن جب اُن جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزے کی تاثیر دیکھی تو بیک زبان پکار اُٹھے "ہم موسیٰ اور ہارون کے خُدا پر ایمان لاتے ہیں"۔ یہ سُن کر فرعون غُصّہ میں آپے سے باہر ہوگیا۔ اُس نے اُنہیں سخت ایذا دے کر مروانے کی دھمکی دی لیکن وہ مرعوب نہیں ہُوئے:

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝

(وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بُری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے۔ اے پروردگار! ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں (ماریو تو) مسلمان ہی ماریو۔ الاعراف (۷): ۱۲۵-۱۲۶)

اب ہم پھر قارون کی داستان کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس قصّے میں ملوث مومن کا کیا ہُوا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ایک آدمی فرعون کے ساتھیوں میں ایسا تھا جس نے اپنا ایمان چُھپا رکھا تھا تاکہ اپنے ہم مذہبوں کی بہتر طریقے پر مدد کر سکے۔ قرآن نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝

Marfat.com

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَلَقَدْ
جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ
بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ
اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا
ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ
يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ؗ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝
مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ
لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا
مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝

(اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیلِ روشن دے کر بھیجا (یعنی) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو اُنہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا۔ غرض جب وہ اُن کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ (خدا پر) ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کر دو اور بیٹیوں کو رہنے دو اور کافروں کی تدبیریں بے ٹھکانے ہوتی ہیں اور فرعون بولا کہ مجھے چھوڑو کہ موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے پروردگار کو بُلا لے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ (کہیں) تمہارے دین کو (نہ) بدل دے یا ملک میں فساد (نہ) پیدا کر دے۔ موسیٰ نے کہا کہ مَیں ہر متکبر سے جو حساب کے دن (یعنی قیامت) پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔ اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہنے لگا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا پروردگار خدا ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اُس کے جھوٹ کا ضرر اُسی کو ہوگا اور اگر سچا ہوگا تو کوئی سا عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا۔ بے شک خدا اُس کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہے۔ اے قوم! آج تمہاری بادشاہت ہے اور تم ہی ملک

Marfat.com

ہیں غالب ہو (لیکن) اگر ہم پر خدا کا عذاب آگیا تو (اُس کے دُور کرنے کے لیے) ہماری مدد کون کرے گا؟ فرعون نے کہا کہ مَیں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہُوں جو مجھے سوجھی ہے اور وہی راہ بتاتا ہُوں جس میں بھلائی ہے۔ تو جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت خوف ہے کہ (مبادا) تم پر اور اُمتوں کی طرح کے دن کا عذاب آ جائے (یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو لوگ اُن کے پیچھے ہوئے ہیں اُن کے حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے) اور خدا تو بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ اور اے قوم! مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے میدان سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب) خدا سے بچانے والا نہ ہوگا اور جس شخص کو خدا گمراہ کرے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے تو جو (وہ) لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح خُدا اُس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا (اور) شک کرنے والا ہو۔ جو لوگ بغیر اس کے کہ اُن کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، خُدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک جھگڑا سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح خُدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا کہ ہامان! میرے لیے ایک محل بنواؤ تاکہ مَیں اُس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی) آسمان کے رستوں پر پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں اور مَیں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کو اُس کے اعمالِ بد اچھے معلوم ہوتے تھے اور وہ رستے سے روک دیا گیا تھا۔ اور فرعون کی تدبیر تو بے کار تھی۔ اور وہ شخص جو مومن تھا اُس نے کہا کہ بھائیو! میرے پیچھے چلو مَیں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھاؤں گا۔ بھائیو! یہ دُنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اُٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ جو بُرے کام کرے گا اُس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں اُن کو بے شمار رزق ملے گا۔ اور اے قوم! میرا کیا (حال) ہے کہ مَیں تو تم کو نجات کی طرف بُلاتا ہُوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بُلاتے ہو۔ تم مجھے اس لیے بُلاتے ہو کہ خُدا کے ساتھ کفر کروں اور اُس چیز کو اُس کا شریک مقرر کروں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں اور مَیں تم کو (خدائے) غالب (اور) بخشنے والے کی طرف بُلاتا ہُوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بُلاتے ہو اُس کو دنیا اور آخرت میں بُلانے (یعنی دعا قبول کرنے) کا مقدور نہیں اور ہم کو خدا کی

Marfat.com

طرف لوٹتا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں ۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اُسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا کام خدا کے سپرد کرتا ہوں ۔ بے شک خدا بندوں کو دیکھنے والا ہے ۔ غرض خدا نے (موسیٰ کو) اُن لوگوں کی تدبیروں کی برائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو بُرے عذاب نے آگھیرا ۔ المؤمن (۴۰ : ۴۳-۴۵)

اس باب کے اختتام سے پہلے ہمیں ان مومن اور کافر عورتوں کی مثال بھی یاد رکھنا چاہیے جو قرآن میں ان الفاظ میں درج ہے :

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

(خدا نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے ۔ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے اُن کی خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلے میں اُن عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے ۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور مومنوں کے لیے (ایک) مثال (تو) فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ اُس نے خدا سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار! میرے لیے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اُس کے اعمال (زشت مآل) سے نجات بخش اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھ کو مخلصی عطا فرما ۔ اور (دوسری) عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرمانبرداروں میں سے تھیں ۔ التحریم (۶۶ : ۱۰-۱۲)

ذیل کی آیات میں اُن مضامین کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جنہیں اس کتاب "عقائدِ اسلام" میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے :

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ

Marfat.com

وَاعْفُ عَنَّا ۔ وَاغْفِرْ لَنَا ۔ وَارْحَمْنَا ۔ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؑ

(رسول اُس کتاب پر جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب خدا پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اُس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (خدا سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سُنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار! ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ خدا کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا بُرے کریگا تو اُسے اس کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار! جتنا بوجھ اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو۔ اور (اے پروردگار!) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہم کو کافروں پر غالب کر۔ البقرۃ (۲): ۲۸۵ - ۲۸۶)

Marfat.com

INSTITUTE OF ISLAMIC CULTURE
ادارہ ثقافت اسلامیہ
LAHORE PAKISTAN

Marfat.com